بانی ادارہ
شیخ التفسیر
حضرت مولانا احمد علی
قدس سرہٗ

21/52

## اندھے اکثر ــــ بینا کوئی

جس نے احکم الحاکمین سے سب کچھ بنایا ہے، اس کا انکار یا اس کا شریک بنایا اندھا پن ہے ــــ فرشتہ مخلوق ہے ــــ

خالق وہی ہو سکتا ہے جو لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۔ (اخلاص) کا ہے، خود بنایا ہوا مشرک ۔ کافر اور نفاق اعتقادی والے منافق اندھے ہیں۔

بینا وہ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ اگر انسان سات کوٹھڑیوں میں مقفل ہو کر نیکی یا گناہ کرے گا تو اس کی نیکی کی جزا اور گناہ کی سزا مل جائے گی ۔ وہ پیچھے مڑ کر دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ کس نیکی کی جزا اور کس گناہ کی سزا ملی ہے۔

جو بینا ہیں ان کے ہاتھ اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہیں اٹھتے، وہ اللہ کے سوا کسی کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے، وہ ہر ضرورت کے لئے اللہ تعالیٰ کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو مخلص ۔ بینا اور نفع اٹھانے والا بنائے ۔ اور پاگل نابینا اور خائب و خاسر ہونے سے بچائے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

۲۱ مئی ۱۹۷۶ء
۷۵ پیسے

# احادیث الرسول

## ایمان کامل کی علامت

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ قَالَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص کامل ایماندار نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہے۔

---

ایمان ایک اندرونی کیفیت ہے لیکن اس کے ساتھ بیرونی علامات کا ہونا لازم ہے۔ بالکل ایسے جیسے کفر کی ظاہری علامات ہوتی ہیں۔ ایسی علامات کا ذکر احادیث میں بڑی کثرت اور بڑی تفصیل سے آیا ہے تاکہ اپنے اور دوسروں کے ایمان کا اندازہ لگا سکے۔

اس حدیث میں بیرونی علامت ایمان کی یہ بیان کی گئی ہے کہ دوسرے انسانوں کے ساتھ مل جل کر کام کیا جائے اور ان کی خیر خواہی کا ہمیشہ خیال رکھا جائے۔ رسول پاکؐ نے یہ قید لگا دی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک پورا ایماندار نہیں بن سکتا۔ جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہے۔

کوئی شخص دانستہ طور پر اپنے لیے کسی خرابی اور نقصان کو پسند نہیں کرے گا بلکہ ہمیشہ اپنی کامیابی کا خواہش مند ہوتا ہے اس لیے ایک سچا ایماندار یقیناً دوسروں کے لیے بھی کوئی نقصان پسند نہیں کرے گا بلکہ اس پر یہ بات لازم آتی ہے کہ وہ دوسروں کی فلاح و کامیابی کا ہمیشہ آرزو مند رہے۔

اس حدیث پر کاربند ہونے سے باہمی کشمکش کھینچا تانی اور مفاد کا اختلاف ختم ہو جائے گا اور اس کی جگہ باہمی تعاون اور خلوص و محبت کے ذریعے تمام افراد مل جل کر اپنے مقصد تک پہنچنے کے لیے کوشش کریں گے۔

قوم کی صحیح ترقی کے لیے ضروری ہے کہ تمام لوگ ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوں۔ ہر شخص ایک دوسرے کی بہبودی کے لیے اتنی ہی کوشش کرے جتنی وہ خود اپنی ذات کے لیے کرتا ہے کیونکہ انفرادی ترقی اجتماعی ترقی کے بغیر ممکن نہیں۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کرنے سے وہ تمام سفلی جذبات ختم ہو جاتے ہیں جو اجتماعی ترقی میں مزاحم ہوتے ہیں مثلاً بغض، حسد، عناد اور کینہ وغیرہ۔ ان کی بجائے ایثار قربانی اور ہمدردی جیسے اعلیٰ جذبات ترقی پائیں گے اور ہر شخص یہ سمجھے گا کہ اپنی ذات کے لیے کوئی قدم جس قدر ضروری ہے دوسرے کے لیے بھی یقیناً اس کی اتنی ہی اہمیت ہے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چند جامع الفاظ گویا ذاتی اور قومی ترقی کے ضامن بن گئے۔ اگر کوئی شخص ایماندار بننا چاہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ کسی سے حسد نہ کرے۔ بغض اور عداوت وغیرہ نہ رکھے۔ بلکہ تمام بھائیوں سے محبت، ہمدردی اور رحمدلی سے پیش آئے۔

تمام لوگ ایک جسم کے اعضاء کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ خود غرضی نفس پرستی اور حق تلفی کا راستہ چھوڑ کر باہمی تعاون اور مل جل کر کام کرنے کا راستہ اختیار کریں۔ اگر ہر شخص ملت کے دوسرے افراد کی خیر خواہی اور ہمدردی اپنا فرض جان لے تو پوری ملت اخوت اور بھائی چارے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور

جلد نمبر ۲۱ — شمارہ نمبر ۵۲

جاری کردہ

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی قدس سرہ العزیز

مولانا عبید اللہ انور

مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود مدظلہ

محمد سعید الرحمن علوی

۳۵

۱۸

۹ ۵

# پاک ہند مذاکرات

یہ خبر برصغیر کے کروڑوں عوام کے لیے انتہائی خوشی و مسرت کا باعث ہے کہ پاک و ہند مذاکرات جو تین روز تک جاری رہے بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوتے اور بعض ایسے اہم فیصلے ہوئے جو دونوں ملکوں کے قریبی روابط قائم کرنے کے لیے انتہائی اہم اور ضروری تھے۔

پاک و ہند اور اب بنگلہ دیش بھی تھوڑا عرصہ پہلے ایک ہی مملکت کا حصہ تھے جس کو ہندوستان یا بھارت کہا جاتا ہے۔ یہ خطۂ زمین خداداد نعمتوں کی وجہ سے بجا طور پر جنت ارضی کہلاتا تھا۔ لیکن یہاں کے باسیوں کی مسلسل اور پیہم غلط کاریوں کے نتیجہ میں خدا کی بے آواز لاٹھی حرکت میں آئی۔ اور پورا ملک غلامی کے شکنجہ میں کس دیا گیا۔

غلامی کا جوا اتارنے کی خاطر جو طویل اور صبر آزما جدوجہد کرنا پڑی اس کی تفصیلات ہنوز منظر عام پر نہیں آئیں۔ اور جتنا کچھ بھی سامنے آیا ہے ایک انسان کو لرزہ بر اندام کرنے کے لیے وہی کافی ہے۔

جب غلامی کے منحوس سائے سمٹنے لگے اور منزل آزادی قریب آئی تو ایسے حالات پیدا ہو چکے تھے یا پیدا کر دیے گئے تھے جن کی روشنی میں ملک کا مستقبل دو حصوں میں بٹ کر رہ گیا اور مدتوں کے تعلقات وغیرہ سب کچھ ختم ہو گئے۔

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کے اندر ایک طبقہ ایسا موجود تھا جو اس طرح کی سوچ کے بالکل خلاف تھا۔ اس کے پیش نظر کچھ خدشات تھے لیکن اکثریت نے اس سوچ کا ساتھ نہ دیا اور نتیجہ میں وہی کچھ سامنے آیا جو بالادست قوتوں کی خواہش تھی۔

ایک دکھ جسے کسی صورت چھپانا ممکن نہیں کہ ہم لوگوں نے اسی ظالم انگریز کو "منصف" تسلیم کر لیا جو ہماری بربادیوں کا باعث تھا۔

ضمیر جو ہوا سو ہوا اب پرانی باتیں دہرانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ لیکن ایک بات ہماری سمجھ سے بالا ہے کہ تیئس سال کے عرصہ میں مسلسل نبرد آزمائی کی صورت نے ہمیں کیا فائدہ پہنچایا؟ اس عرصہ میں تین جنگیں ہوئیں۔ تعلقات بنے اور بگڑے ——— انتقل پتھل ہوا اور ایسی ایسی قباحتیں سامنے آئیں کہ الاماں!

۱۹۶۵ء کی جنگ نے ایک بار پھر محشر کی سی صورت پیدا کر دی اور ۱۹۴۷ء کی طرح ایک بار پھر لوگوں کو اپنے گھر اور بہت کچھ چھوڑنا پڑا۔ انسانیت کی تذلیل ہوئی۔ معصوم بچیاں ہوس پرستوں کی ہوس کا نشانہ بنیں اور خاک و خون کا ایک قیامت خیز منظر چشم فلک نے پھر دیکھا۔

اتنے عرصہ کے بعد خدا خدا کر کے اب یہ پوزیشن سامنے آئی ہے کہ گویا ہر سطح پر وسیع تر بنیادوں پر تعلقات قائم ہو رہے ہیں، خدا کرے کہ یہ سلسلہ خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے انجام کو پہنچے اور ادھر ادھر کے قاتر العقل لوگوں کی سیاہ بختی پھر کسی حادثہ کا سبب نہ بنے۔

واقعہ یہ ہے کہ برصغیر میں حد بندی کے باوجود بھی ایسے حالات ہیں کہ لوگ ادھر ادھر سے بے نیاز نہیں ہو سکتے اور اس کی وجہ واضح ہے کہ حد تہائے دراز کے تعلقات نے ایسی نوعیت اختیار کر لی ہے کہ آپس میں کتنا بڑا تشکل ہے۔

خونی رشتوں کا حال یہ ہے کہ باپ ادھر ہے تو بیٹا اُدھر، بھائی ادھر ہے تو بہن اُدھر۔ اس کے علاوہ علم و ادب کی ایک وسیع برادری دونوں طرف موجود ہے جس کے راستہ میں جب کوئی رکاوٹ پیدا ہوتی ہے تو وہ بے چاری جاں بلب ہو کر رہ جاتی ہے۔ تجارتی اعتبار سے ہم سامراجی بھیڑیوں کی دستبرد سے بڑی حد تک محفوظ ہو سکتے ہیں بشرطیکہ ہم آپس میں صحیح ربط و تعلق رکھیں۔

الغرض ہمارا معاملہ ایسا مربوط ہے کہ لاکھ چھٹنا اور کٹنا چاہیں کٹ نہیں سکتے۔ ایسے میں محض عاقبت نااندیش انسانیت کے دشمن اور خود غرض و مفاد پرست عناصر کا نفرت و منافرت کی فضا پیدا کرنا اور بھائی کو بھائی سے جدا کرنا اتنا بڑا گھناؤنا انسانی جرم ہے کہ بایدو شاید؟

ہم آج کی خبر سے اس لیے بھی زیادہ خوش ہیں کہ مادر علمی دارالعلوم دیوبند کا صد سالہ جشن آئندہ سال ہونے والا ہے۔ جس میں شمولیت کے لیے پاکستان سے ہزاروں کی تعداد میں علماء اور دوسرے لوگ شریک ہونے کے آرزومند ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ حکومتوں کی سطح پر تعلقات درست نہ ہوں تو کوئی بھی کام ناممکن نہیں۔

اب جبکہ ایک معاہدہ طے پا گیا ہے تو دونوں حکومتوں کو چاہیے کہ وہ خلوص و دیانت سے اس پر عمل درآمد کرائیں، ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کریں۔ اور ہر اس کوشش کا سختی سے نوٹس لیں جس کا نتیجہ افتراق و بُعد ہو۔

اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے اور ہمیں ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کرنے کی توفیق بخشے!

---

# اسلامی محاذ کی ضرورت

استنبول میں مسلم ممالک کے وزرائے خارجہ نے اپنے اجلاس میں دنیائے اسلام کے مسائل کو حل کرنے کے لیے ایک مشترکہ محاذ کی ضرورت پر زور دیا ہے۔

جہاں تک دنیائے اسلام کا تعلق ہے اس میں وحدت و اتحاد کا احساس بڑی تیزی سے ابھر رہا ہے جو بہرحال نیک فال ہے اور امید کرنی چاہیے کہ یہ احساس بہت جلد واقعیت کا روپ دھار کر بہت جلد ایک صحیح اسلامی بلاک بن جائے گا اور دنیائے اسلام جس پریشان حالی کا شکار ہے اس سے نجات حاصل کرے گی۔ تاہم جب تک یہ صورت حال پیدا نہیں ہوتی یہی غنیمت ہے۔ خدا کرے کہ مسلمان منزل مراد کو پہنچیں اور ٹکڑیوں کے بجائے ایک ہو جائیں لیکن اس کی بنیاد کیا ہو گی؟ بس اور بس یہی۔ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا۔

خطبہ جمعہ ۵ ضبط و ترتیب ۵ ادارہ

# ہماری آزادی علما کی جدّوجہد کا ثمر ہے

## جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور کا ایمان افروز خطاب

بعد از خطبہ مسنونہ :

اعوذ باللہ من الشّیطٰن الرّجیم

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ ۔

بزرگانِ محترم ! معزز خواتین ! آج کی معروضاتِ جمعہ کا عنوان ہے "اسلام کی حکومت قائم کرنا ہمارا اولین فرض ہے" یہ مہینہ ہندوستان و پاکستان میں گرمی کا شدید مہینہ ہے ۔ اتفاقات کی بات ہے کہ اکثر دنیا کے انقلابات اور خصوصاً اسلام کی تحریکوں نے ہندوستان میں اسی مہینہ میں اپنی تحریک کی ابتدا کی اور اسی مہینہ میں اُن کی انتہا ہوئی ۔ جمعہ کے مختصر سے وقت میں سب پر تو بحث نہیں ہو سکتی لیکن جو نقطۂ آغاز ہے ۔ اس کی طرف اشارات ضرور ہو سکتے ہیں ۔ یہ سرزمین جو شرک و کفر اور بت پرستی کی سرزمین تھی ۔ اسلام کی برکت سے یہاں توحید کے ڈنکے بجے اور آج بھی مساجد اور مدارس میں قال اللہ و قال الرسول کے جو زمزمے آپ سن رہے ہیں یہ اُن علماء ربانی اور اہل اللہ کی قربانیوں کا صدقہ ہے جنہوں نے ہندوستان میں اسلام کی سربلندی کے لیے اپنی تمام کوششیں اور وسائل داؤ پر لگا دیے ۔ اور اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ ۔ زمین کی وسعتوں سے لے کر آسمان کی رفعتوں تک اسلام کو چار چاند لگا دیے ۔

ہندوستان میں جب انگریز وارد ہوئے تو تاجروں کی حیثیت تھی ۔ رفتہ رفتہ انہوں نے ہندوستان کی اقتصادیات کو اپنے قبضہ میں لینا شروع کیا ۔ اس کے ساتھ ہی مختلف ریاستوں کے والیوں سے انہوں نے ملاقاتیں شروع کر دیں ۔ ان ملاقاتوں میں انہوں نے مرہٹوں اور مختلف والیانِ ریاست کو ساتھ ملا لیا مسلمانوں کو مٹانے کی سازشیں شروع ہوئیں مسلمان حکمرانوں کو ختم کرنے کے منصوبے تیار کیے گئے ۔ ان انگریزوں کی سازشوں کا نشانہ حیدر علی کے شیر دل بیٹے سلطان فتح علی ٹیپو کو بنایا گیا ۔ اس کی فوج کے جرنیلوں سے گفت و شنید کی ، ان کو تحفے تحائف دیے گئے ۔ ان کے ضمیروں کو خریدا گیا اور ان کو ٹیپو شہید کے خلاف ابھارا اور اکسایا گیا ۔ ٹیپو شہید کے ملازمین کو لالچ اور طمع کے سبز باغ دکھائے گئے اور ٹیپو شہید کے بعض قریبی مشیروں کو یہ کہا گیا کہ تم کو ٹیپو سلطان کے بعد سلطنتِ خداداد میسور کا والی بنایا جائے گا ۔ ان ساری باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اپنوں کی غداری اور بے وفائی سے اسلام کے اس مجاہد کو سرنگا پٹم کے قلعہ میں شہید کر دیا ۔ لیکن ٹیپو شہید جو آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے پیغام چھوڑ گیا تھا کہ گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے " وہ لوگوں کے سینوں میں نقش ہو گیا ۔

اگرچہ وقتی طور پر انگریزوں کے خلاف جذبہ ٹیپو رح کی شہادت سے سرد ہو گیا لیکن اندر ہی اندر اس جذبہ کی چنگاریاں سلگتی رہیں اور انگریز کی نفرت دن بدن لوگوں کے دلوں میں بڑھتی رہی ۔ یہاں تک کہ شاہ عبدالعزیز رح نے ہندوستان کے بارے میں دارالحرب کا فتویٰ دیا ۔ اور

ساتھ ہی شاہ صاحب نے مجاہدین کی ایک جماعت تیار کی جس کی قیادت سید احمد شہید کو سونپی گئی۔ اور ان کے دست راست شاہ صاحب کے بھتیجے سید اسمٰعیل شہید رح مقرر ہوئے۔ ابتداء میں جب یہ تحریک اٹھی تو انگریزوں کے زرخرید مولویوں نے ان پر طرح طرح کے الزامات لگائے ان پر طعن و تشنیع کے تیر برسائے۔ انگریز کے اشارے پر بعض مولویوں نے مناظرے کرکے انہیں شکست دینے کی سعی کی لیکن ذلیل و خوار ہوکر اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ نام نہاد پیروں نے جب یہ دیکھا کہ ان لوگوں کے وعظ و تلقین اور پند و نصائح سے لوگ تحریک مجاہدین کے ساتھ کثیر تعداد میں شامل ہوگئے ہیں اور ہماری مذہبی دکانوں کی سجاوٹ اور زیب و زینت میں کمی آنے لگی ہے تو آگ بگولا ہوکر رہ گئے اور تحریک کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے درون پردہ لوگوں کے دلوں میں نفرت کے بیج بونے شروع کر دیے۔ کبھی گستاخ رسولؐ کا الزام لگایا، کبھی توہینِ رسولؐ کا مجرم ٹھہرایا، کبھی "وہابی" کے لفظ سے یاد کیا، کبھی رسولؐ کے بے ادب ہونے کا الزام تراشا۔ لیکن یہ اہل اللہ اور نفوسِ قدسیہ ان تمام باتوں سے بے نیاز ہوکر اعلاء کلمۃ اللہ کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

دشمن کے یہ مختلف ہتھکنڈے اور انگریزوں کے یہ بے بنیاد حربے قافلہ حق کے ان حریت پسندوں کے پائے ثبات میں ارتعاش پیدا نہ کر سکے اور ان کے قدم ڈگمگاتے بھی کیوں؟ جبکہ ان کا مقصد کوئی دنیاوی غرض نہیں تھی۔ کسی عہدہ اور منصب کا حصول ان کے پیشِ نظر نہیں تھا۔ کوئی خفیہ طاقت ان کے پس پشت نہیں تھی۔ جن کے آلہ کار بن کر یہ لوگ میدان میں اترے تھے۔ اور نہ ہی کسی سے داد و تحسین حاصل کرنے کا جذبہ انہیں دربدر لیے پھرتا تھا۔ بلکہ ان لوگوں کی خواہش صرف یہی تھی کہ سکھوں نے جو ظلم و ستم کی چکی میں مسلمانوں کو پیسنا شروع کر رکھا تھا۔ جور و جفا کے جو پہاڑ پنجاب کے علاقہ میں مسلمان قوم پر توڑے جا رہے تھے۔ شاہی مسجد لاہور کو جس طرح سکھوں نے اصطبل بنا رکھا تھا مسلمان عورتوں کی عصمتوں سے جس طرح کھیل رہے تھے، معصوم بچوں کی جس طرح گردنیں کاٹ رہے تھے۔ نوجوانوں کے سروں کو جس طرح سنگینوں پر اچھال رہے تھے — دوشیزاؤں کی آبرو کو جس طرح پامال کیا جا رہا تھا۔ ان سب برائیوں اور قباحتوں کو ختم کر دیا جائے اور ان کے بدلے خدا اور رسول کے احکام کو نافذ کیا جائے اسلامی تعلیمات کو جاری کیا جائے۔ تعزیراتِ اسلامی کا اجرا ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے نظام حیات کا چاردانگِ عالم میں ڈنکا بجے۔ ہر طرف سے قال اللہ و قال الرسولؐ کی صدائیں بلند ہوں اور مسلمان صحیح معنوں میں عشق رسولؐ کے رنگ میں رنگے جائیں۔

یہی وہ جذبہ تھا، یہی وہ تڑپ تھی، یہی وہ ولولہ تھا اور یہی وہ جوش و خروش تھا جس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے راہ حق کے ان مسافروں نے سرحد کو اپنا مرکز بنایا۔ تحریک کے قائدین یہ سمجھتے تھے کہ سکھ جو کارروائیاں کر رہے ہیں یہ سب کچھ انگریز کی منشا اور مرضی کے مطابق کر رہے ہیں۔ اور درپردہ انگریز کے ساتھ سمجھوتہ کے تحت اس کے آلہ کار بن کر تخریب کاریوں میں مصروف ہیں۔ اسی وجہ سے تحریک کے قائدین نے سب سے پہلے انگریزوں کے ہاتھ میں جو لوگ کھلونا بنے ہوئے تھے ان کے خلاف جہاد کا اعلان کیا۔ مختلف مقامات پر سکھوں کو شکستیں دیں، ان کے سپاہی سینکڑوں کی تعداد میں مارے گئے۔ مسلمان مجاہدین جس جانب رخ کرتے کشتوں کے پشتے لگا دیتے۔ کئی علاقے مسلمان مجاہدین نے فتح کرکے وہاں اسلامی احکام جاری کیے۔ سکھوں کو جب ہر مقام پر سخت بھاری نقصان کا سامنا کرنا پڑا تو انہوں نے ایک اور طریقہ اختیار کیا اور یہ طریقہ ان کے لیے سودمند رہا۔ ان لوگوں نے مسلمانوں کے چند امراء جن کا سرحد میں کافی اثر و رسوخ تھا کو اپنے ساتھ ملایا۔ مجاہدین کے ساتھ ابتدا میں ان لوگوں نے تعاون کا رویہ اختیار کیا۔ ان کے ساتھ ربط و تعلق جوڑا اور مجاہدین کے دلوں میں اپنی محبت پیدا کرکے ان کا اعتماد حاصل کیا اور بالآخر ان اپنوں کی سازش و مکر و فریب سے ہی بالاکوٹ

کے میدان میں سخت معرکہ کارزار گرم ہوا جس میں سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ یہ ۶ مئی ۱۸۳۱ء جمعہ کا دن تھا۔

تحریکِ مجاہدین کے قائدین اگرچہ اس معرکہ میں کام آ گئے تھے۔ لیکن یہ تحریک ایک ایسا شعلۂ جوالہ تھی جو قائدین سے بے نیاز ہو چکی تھی۔ ظاہری طور پر مجاہدین شکست کھا گئے تھے۔ لیکن حقیقت میں یہ ان کی فتح تھی۔ اس لیے کہ وہ مسلمان قوم کو ایک ایسا ولولہ اور شوقِ جہاد دے گئے تھے جو دن بدن سینوں میں لاوا کی طرح پک رہا تھا اور پھر وہ دن بھی آیا جب یہ لاوا پھٹ پڑا۔ یہ ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کا دن تھا جب میرٹھ چھاؤنی میں چند سرفروشوں نے پہلی گولی چلائی اور سید احمد شہیدؒ کی تحریک میں پھر سے جوبن آ گیا۔ انگریزوں کے مکانات اور بنگلوں سے آگ کے شعلے نکلنے لگے۔ یہ آگ چند سرفروشوں نے لگائی تھی۔

اصل صورت حال یہ ہوئی کہ میرٹھ چھاؤنی میں جو کارتوس تقسیم کئے گئے تھے ان کے بارے میں مسلمانوں کو پتہ چل گیا کہ ان پر خنزیر کی چربی چڑھائی گئی ہے۔ انہوں نے کارتوس لینے سے انکار کر دیا۔ کرنل مائیکل نے جب دیکھا کہ اس کے حکم کی کوئی پرواہ نہیں کی گئی اس کی بات کو ٹھکرا دیا گیا ہے اور اس کی ہر کوشش ناکام ہو گئی ہے تو اس نے اپنی رپورٹ جنرل آفیسر کمانڈنگ جنرل گفٹ کو پیش کر دی۔ غصہ میں اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اور اس نے ان مجاہدین کے بارے میں کورٹ مارشل کا حکم دے دیا۔ اور جیل میں نظربند کر دیا گیا۔ مسلمانوں نے اپنے ان ساتھیوں کو چھڑانے کے لیے جیل پر حملہ کر دیا۔ سنتریوں نے دروازے کھول دیے۔ مجاہدین کے ساتھ دوسرے قیدی بھی رہا ہو گئے۔ چھاؤنی میں جہاں کہیں انہیں کوئی انگریز نظر آیا انہوں نے قتل کر دیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں نے آتشِ انتقام بجھانے کے لیے مسلمانوں کے سینکڑوں مذہبی راہنماؤں کو شہید کر ڈالا۔ دہلی سے لے کر میرٹھ تک کوئی ایسا درخت نہیں تھا جس پر مسلمان کی لاش خنزیر کی کھال میں سی کر جلا نہ ڈالی گئی ہو۔ یہ جنگِ آزادی بھی مسلمانوں کے لیے سخت امتحان کا باعث بنی لیکن مسلمانوں نے پھر بھی ہمت نہ ہاری۔ کاروانِ حق چلتا رہا۔ یہاں تک کہ شاملی کے میدان میں پھر ایک دفعہ پھر مسلمانوں نے انگریز کے توپ خانہ پر حملہ کر دیا۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اس دستہ کی کمان سنبھالے ہوئے تھے۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند لشکر کے دائیں اور بائیں حصہ کی حفاظت کر رہے تھے۔ بالآخر مسلمانوں نے توپ خانہ چھین لیا۔

بہرحال آزادی کی یہ مختلف تحریکیں ہیں جو وقتاً فوقتاً اٹھتی رہیں اور انگریزی اقتدار کے قلعہ میں شگاف ڈالتی رہیں۔ ان تحریکوں کے نتیجہ میں اور مجاہدین کی ان قربانیوں کے صلہ میں ہندوستان کو آزادی نصیب ہوئی ۱۹۴۷ء کو پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ ابتداء میں نعرہ یہی تھا کہ اس ملک میں اسلام کا عادلانہ نظام نافذ ہوگا۔ خدا اور رسولؐ کے احکام کا اجراء ہوگا۔ تعزیرات اسلامی نافذ کی جائیں گی۔ قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون نہیں ہوگا۔ لیکن ۲۹ سال کا عرصہ ہونے کو ہے۔ اسلام کو کسی نے پوچھا نہیں۔ البتہ اسلام کی رٹ سب نے لگائی ہے۔ اگر ابتداء میں ہی اسلامی قوانین کا نفاذ کر دیا جاتا تو آج پاکستان ایک مثالی اسلامی حکومت ہوتا۔ پھر نہ لسانی مسائل پیدا ہوتے نہ صوبائی عصبیتوں کو فروغ ملتا، نہ بنگلہ دیش وجود میں آتا۔ اسلامی نظام کو پس پشت ڈالنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے بعض مسلمان بھائی سامراجی طاقتوں کے ظالم اور استحصالی سرمایہ دارانہ نظام کو اپنا ملجا و ماویٰ سمجھ بیٹھے اور ان کے ردعمل کے طور پر ہمارے کچھ بعض مسلمان بھائی سرمایہ دارانہ نظام کے مقابل کمیونزم کو سینے سے چمٹانے لگے اگر سرمایہ دارانہ نظام امیروں کا محافظ اور غرباء کے لیے سمِ قاتل ہے تو کمیونزم اسلام اور مسلمانوں کے لیے زہر ہلاہل ہے۔ لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ یکم مئی کو جلوس نکلتے ہیں۔ تو نظامِ اسلام کو لانے والے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو فراموش کر کے لینن، سٹالن اور ماوزے تنگ کے نام کے نعرے لگاتے جاتے ہیں حالانکہ ایک مسلمان کا تو یہ نظریہ ہونا چاہیے۔

نہ ہم لینن کے شیدا ہیں نہ اسٹالن کے دیوانے
نظر کے سامنے ہیں خالدؓ و حیدرؓ کے افسانے

لیکن ہمارا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ مسلمانوں کی غفلت اور بے راہروی کا یہ عالم ہے اور اسلام سے بے اعتنائی کی یہ حالت ہے کہ ہمارے مزدور بھائی جب جلوس نکالتے ہیں تو اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ شکاگو کے شہداء کی یاد میں نکالا جا رہا ہے۔ سادہ دل اور بھولے بھالے مسلمان تو یہ سمجھتے ہوں گے نامعلوم کتنے مسلمان شہید ہوئے۔ کتنا کتنا معرکہ کا رن پڑا ہوگا؟ لیکن یہ حقیقت ہے کہ آج سے نوے سال قبل ۱۸۸۶ء میں شکاگو کے چند مزدور جو کہ عیسائی تھے انہوں نے مل کر اپنے مطالبات کے لیے جلوس نکالا وہاں کی حکومت نے ان کی آواز دبانے کے لیے اور ان کے مطالبات کو مسترد کرنے کے لیے فوج اور پولیس کو استعمال کیا جلوس پر فوج اور پولیس نے فائرنگ کی جس کے نتیجہ میں سات ۷ یا نو ۹ مزدور ہلاک ہوگئے۔ ظلم بہرحال ظلم ہے۔ خواہ کافر ظلم کا نشانہ بنے یا مومن۔ ظلم کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ کافروں کے لیے ہم دعائے مغفرت کرنی شروع کر دیں اور ان کو شہداء کے القاب سے ملقب کریں اگر یہی وجہ ہے تو پھر کل کو کوئی اٹھ کر فرعون، نمرود اور شداد کو پیغمبر کہنا کرنا شروع کر دے اور "علیہ الصلوٰۃ والسلام" کے الفاظ کا استعمال ان کے ناموں کے ساتھ شروع کر دے۔ تو ہم اس کو کیسے روک سکیں گے۔ یا کوئی ابوجہل اور ابولہب کو صحابی رسولؐ کے القاب سے پکارنا شروع کر دے۔ اور "رضی اللہ عنہ" کے الفاظ کو ان کے ناموں کے ساتھ استعمال کرنے لگے۔ تو ہم اس کی زبان کیسے روک سکیں گے۔ اور ہمیں مسلمان اور کافر میں کیسے فرق کا پتہ چلے گا۔ اسی پر بس نہیں۔ بلکہ سرخ پرچم کو شکاگو کے مزدوروں کے خون کی سرخی سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

کس قدر حیرانگی اور تعجب کی بات ہے کہ ہمیں شکاگو کے مزدوروں کے خون کی سرخی تو یاد ہے لیکن شہدائے بدر و احد کی قربانیوں کو ہم فراموش کر بیٹھے۔ ان کے خون کی سرخی ہمیں یاد نہیں۔ جس خون کی سرخی پر خدا کو بھی ناز اور فخر ہے اور خداوند قدوس ان کو اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ کہ یہ اللہ کی فوج ہے کے نام سے قرآن جیسی مقدس کتاب میں ذکر فرمایا ہے۔ صحابہ کرامؓ جنہوں نے اسلام کی خاطر اپنا مال، اپنی اولاد، اپنا تن من دھن سب کچھ لٹا دیا۔ ان کی کوششوں کا کہیں تذکرہ نہیں۔ ان کے نام کا کسی مجلس میں سال میں ذکر نہیں ہوتا۔ کبھی بدر کے، احد کے اور دیگر غزوات میں شہید ہونے والے صحابہؓ کی یاد میں ہم نے کوئی جلوس نہ نکالا۔ جو کہ حقیقی معنوں میں شہید تھے اور جن کو صرف شہادت کا تاج ہی نہیں پہنایا گیا بلکہ دنیا میں ہی رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کا فوز و فلاح اور کامیابی کا سرٹیفکیٹ مل گیا۔

ہمیں اس بات کا تو خیال نہیں آتا کہ یکم مئی کو ہی اندلس جیسی عظیم الشان حکومت ہمارے ہاتھوں سے نکلی۔ جہاں آٹھ سو سال تک تقریباً مسلمانوں کی حکومت رہی۔ جس کے در و دیوار اور مسجد قرطبہ کے مینار آج بھی طارق بن زیادؒ اور اس کے ساتھیوں دیکھ رہے ہیں کہ کب مسلمانوں کی غیرت جوش میں آتی ہے اور اندلس کو عیسائیوں سے آزاد کرایا جاتا ہے۔

ہم اس حادثہ فاجعہ کا تو کوئی سوگ نہیں مناتے اور شکاگو کے مزدوروں کا سوگ مناتے ہیں۔ جو لوگ ہندوستان کی آزادی کے معمار اول تھے۔ جنہوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ دے کر اس ملک کو انگریزی اقتدار اور سکھوں کے تسلط سے آزاد کرانے کی کوششیں کی تھیں۔ جن کی شبانہ جد و جہد اور سعی کی وجہ سے ہمیں آزادی کا سانس لینا نصیب ہوا۔ ان کی یاد یکسر ہمارے دلوں سے محو ہو چکی ہے یہ لوگ بھی تو اسی ماہ میں شہید ہوئے۔

مئی کی یکم تاریخ تو ہمیں یاد ہے اور دوسری تاریخوں کا ہمیں خیال تک نہیں ۶ مئی ۱۸۳۱ء ہی کو تو تحریک مجاہدین کے جانباز مجاہدوں نے اپنے خون کی سرخی سے سرزمین بالاکوٹ کو لالہ زار بنایا

(باقی صہ ۱۳ پر)

جامعہ سے خطاب

# انسان کامل حضور علیہ السلام کی ذات ہے

حضرت مولانا
عبید اللہ انور
امیر جمعیۃ علماء اسلام
پنجاب

## جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور زید مجدہم

بعد از خطبہ مسنونہ :

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم :

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم :

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ وَلَوۡ کَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ ۝ صدق اللہ العلی العظیم۔

صاحبِ صدر، گرامی قدر، معزز حاضرین اور میرے عزیز طلبہ اور معزز خواتین و طالبات!

اس عظیم درسگاہ میں ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے آج حاضری کا شرف حاصل ہوا ہے۔ تقریر تو آپ نے حضرت مولانا محمد امیر بجلی گھر کی سنی۔ وہ خود بھی باغ و بہار ہیں اور ان کی تقریر بھی باغ و بہار سے کم نہیں اور ملک کے عظیم خطیب اور دانشور اور محدث اور ہمارے ملک کے عظیم عالم حضرت مفتی صاحب (مفتی محمود صاحب) آپ سے خطاب فرمانے والے ہیں۔

میں ایک طالب علم کی حیثیت سے چند جملے عرض کرنے کے لیے حاضر ہو گیا ہوں۔ (وہ بھی) امتثال امر کے طور پر! اس عظیم درسگاہ اور اس تاریخی جامعہ میں آ کر مجھ گنہگار کو بڑی خوشی حاصل ہوئی ہے کہ میں نے بھی طالب علمی کا زمانہ درسگاہوں میں گزارا اور مجھے فخر ہے کہ ہند و پاکستان کی عظیم تعلیم گاہ مادر علمی دار العلوم دیوبند سے مجھے کسب فیض اور تحصیل علم کی توفیق ملی۔

میری اپنی تمنا بھی یہی ہے اور میرے اکابر میں سے بھی اکثر کی خواہش یہی ہے کہ وقت کی ضرورت کے مطابق ایسے افراد قوم کی کشتی کو پار اتارنے کے لیے چاہییں جو دینی علوم و فنون کے ساتھ ساتھ عصری علوم سے بھی بہرہ ور ہوں اور پشاور یونیورسٹی سے یہ توقع بجا طور پہ کی جا سکتی ہے لہٰذا یہاں مسلمانی چہرے، مشرع چہرے طلبہ کے اور ان کا لباس مسلمانوں والا دیکھ کر مجھے بڑی فرحت حاصل ہوئی اور تقویت حاصل ہوئی کہ ۔ ؎

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

اگر تھوڑی سی اور کوشش کی گئی تو یہ جامعہ پاکستان کے لیے ایک مثالی تعلیم گاہ بن سکتی ہے۔ اور یہاں سے مثالی افراد قوم کی رہنمائی کے لیے ہمیں میسر آ سکتے ہیں۔

اسلام جو میرا اور آپ کا منتہائے مقصود ہے نصب العین حیات ہے اور تمام مذاہب اور تمام الہامی کتابوں، تمام پیغمبروں کی تعلیمات کا جامع ہے۔ اور ساری الہامی تعلیمات جو ایک لاکھ چوبیس ہزار کم و بیش انبیاء علیہم السلام کے واسطہ سے آئی کا خلاصہ اور نچوڑ اور لب لباب اللہ تعالیٰ نے اس مذہب کی کتاب قرآن مجید میں پیش فرما دیا ہے۔

سو یہ الہامی کتاب خدا کا آخری نوشتہ اور دستور حیات ہے اور ہمارے اور آپ کے لیے اور رہتی دنیا تک کی ہدایت و رہنمائی کے لیے کافی شافی اور وافی ہے۔ اس کتاب کے لانے والے اور دنیا کے سامنے پیش کرنے والے پیغمبر آخر الزمانؐ سارے پیغمبروں کی تعلیمات ایک طرف اور ان کی بزرگی و عظمت ایک طرف اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور

ان کا عمل و کردار جو انہوں نے پیش کیا ہے وہ ایک طرف! جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے واحد مصلح، واحد ریفارمر اور واحد پیغمبر اور رہنما ہیں جن کی زندگی انسانِ کامل کی زندگی ہے۔ ان کی زندگی سے ہر قسم کی رہنمائی حاصل ہو سکتی ہے۔

ایک عیسائی اگر شادی کرنا چاہے اور میاں بیوی کے تعلقات، باپ بیٹے کے تعلقات کے لیے اور اسی طرح دوسرے معاملات میں اگر وہ کوئی دنیا کا تاجر ہے یا اس کے علاوہ فوج یا پولیس کے شعبہ سے تعلق رکھتا ہے تو وہ حضرت مسیح (یہ ان کی تنقیص نہیں کر رہا خدا اس سے بچائے) کی زندگی میں ان مسائل کے متعلق کوئی عملی نمونہ نہیں پائے گا۔ کیونکہ کامل اکمل تعلیمات لے کر آنے والا پیغمبر آخر الزمان ہی ہو سکتا تھا۔ اور اللہ نے یہ تعلیمات ان کے لیے مقدر کر رکھی تھیں۔ پہلی قوموں کی طرف مختلف انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی تعلیمات لے کر آئے لیکن جامع تعلیمات لے کر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی مبعوث ہوئے اور بس! اور آپ کی تعلیمات پر خدا نے یہ مہر ثبت کر دی۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔

چنانچہ ہمارے پیغمبروں میں یا اس سے باہر مثلاً مہاتما بدھ ہے اس کی تعلیمات بھی ان کے ماننے والوں کے لیے کافی نہیں ہو سکتیں۔ ایک فوجی کمانڈر کے لیے، ایک پولیس مین کے لیے، ایک تاجر کے لیے، ایک شادی شدہ انسان کے لیے مہاتما بدھ کی تعلیم میں کوئی رہنمائی نہیں۔ حضرت مسیحؑ کے پیروکاروں کے لیے ان کی تعلیم کافی نہیں۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کے لیے ان کی تعلیمات ہر حیثیت سے ہر جہت سے کامل، مکمل، اکمل ہیں۔ ایک مصلح کے لیے، ایک ریفارمر کے لیے، ایک عبادت گزار کے لیے تاجر کے لیے، پھر باپ اور شوہر کے لیے، دکاندار اور یتیم کے لیے، مجبور اور مظلوم کے لیے آپ کی سیرت میں ہر طرح رہنمائی موجود ہے۔ اس لیے کہ آپ ان سب راہوں سے گزرے۔

اگر پہلے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں ایسی چیزیں موجود بھی ہیں تو آج ان کا پتہ چلانا مشکل ہے وہ محفوظ ہی نہیں یہ شرف بھی صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کو حاصل ہے کہ انہوں نے اپنے نبی کی ایک ایک بات کو محفوظ رکھا۔

پچھلوں کی تعلیمات، کردار اور سیرت کیا محفوظ ہوتی ان کی تو کتابیں بھی محفوظ نہیں۔ قرآن میں ہے:۔

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ کہ انہوں نے بات کو کہیں سے کہیں پہنچایا یا اس میں غتر بود مچائی

آج ان کتابوں کا ایک اصلی لفظ موجود نہیں صرف تراجم ہیں ان میں بھی آپ پہلا ہی صفحہ الٹ کر دیکھیں تو آپ کو نظر آئے گا سابقہ تراجم میں ترمیم و اضافہ کر کے چھاپا گیا۔

خدا کی تعلیم میں ترمیم و اضافہ جب انسان کے ہاتھوں ہو تو پھر قرآن کا دعویٰ کہ تحریف ہو گئی بالکل صحیح ثابت ہوتا ہے اور اسی کے متعلق کہا جاتا ہے:۔

"جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے"

یار لوگوں نے خود اپنے قلم سے ترمیم و اضافہ کی بات لکھ کر قرآن کی بات صحیح ثابت کر دی۔ ع

والفضل ما شهدت به الاعداء

یہ قرآن واحد کتاب ہے جس کے متعلق خدا نے خود فرمایا:۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝

ہم ہی اس کے نازل کرنے والے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

لہٰذا قرآن آج سے چار سو سال پہلے کا ہو یا چودہ سو سال پہلے کا قلمی ہو یا مطبوعہ، وہ بمبئی کا چھپا ہوا ہو یا استنبول کا، برطانیہ کا شائع شدہ ہو یا پنجاب کا یا کسی اور علاقے کا، زیر زبر کی غلطی ممکن نہیں۔ سہو و خطا سے کوئی لفظ چھوٹ جائے ممکن ہے اور کوئی زیر زبر رہ گیا

ہو ایسا ہو سکتا ہے لیکن آیتوں کی آیتیں، رکوع کے
رکوع اڑ گئے ہوں یہ ناممکن ہے اور سہو و خطا کی غلطیوں
کی اصلاح کرنے والوں کی بھی کمی نہیں کیونکہ یہ کتاب
دفینوں سے زیادہ سینوں کے واسطہ سے منتقل ہو
رہی ہے۔ اور یہی اس کا سب سے بڑا اعجاز ہے۔

ایسا کیوں؟ اس لیے کہ اس سے پہلے جو کتابیں
آئیں ان کی حفاظت کا خدا نے وعدہ نہیں کیا تھا
اور کرتے بھی کیسے کہ وہ کتابیں وقتی تھیں، کچھ علاقے
کے لیے تھیں۔ قیامت تک انسانی رہنمائی کے لیے رہنے
والی کتاب جو ساری دنیا کے لیے تھی وہ بھیجی تو وعدہ
بھی فرما دیا۔ اور پھر اس وعدہ کو پورا بھی فرمایا —
گویا قرآن وعدہ حفاظت خداوندی کے سبب اسی طرح
محفوظ ہے جس طرح لوح محفوظ میں۔ اسی لیے آنکھیں
بند کر کے قرآنی تعلیمات کو ساری بنی نوع انسان کے
سامنے پیش کیا جا سکتا ہے۔

قرآن صرف مسلمانوں کی کتاب نہیں بلکہ ہم شروع کرتے
ہیں تو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ سے جس کا
واضح مفہوم یہ ہے کہ ساری دنیا کی موت و حیات کا
مالک۔ ساری دنیا کی ضروریات پوری کرنے والا، سب
کا پروردگار، یہ صرف مسلمانوں کا پروردگار نہیں بلکہ
یہودی، مجوسی، عیسائی، ہندو اور لا ادری کہنے والوں
کا بھی ہے اس کو جو نہیں مانتے ان کا بھی ہے۔

اس لیے اس کی تعلیمات بھی ہر کسی کے لیے ہیں۔
اور قیامت تک کے لیے ہیں۔ جس کی جو ضرورت ہے
اس کا جواب اسے قرآن سے مل سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ
اس سے رہنمائی حاصل کرنا چاہے۔

یہ ہمارا دعویٰ نہیں بلکہ اگر آپ قرآن پر غور کریں گے
تو یہ حقیقت خود بخود نظر آئے گی کہ انسان کو زندگی میں
موت سے قبل جو ضروریات پیش آ سکتی ہیں انہی پر نہیں
بلکہ مابعد الموت کی ضروریات پر بھی وہ گفتگو کرتا ہے
اور بڑے شافی طریق سے، قرآن کے علاوہ کوئی کتاب
نہیں جو مابعد الموت کی زندگی اور اس کے مسائل پر
گفتگو کرتا ہے۔

بہرحال آج کی ضروریات کے لیے قرآن ہی واحد کتاب
ہے۔ توریت اور انجیل سیاسیات اور معاشیات کے لیے
اور اس قسم کے جدید مسائل کے لیے ان میں کوئی رہنمائی
نہیں لیکن قرآن کے ماننے والوں نے اس پر غور و فکر
کرنے والوں نے اس میں سے وہ وہ موتی نکالے ہیں
کہ باید و شاید! اور آج کا سب سے اہم مسئلہ جو
روٹی، کپڑے اور مکان کی صورت میں پیدا ہوا ہے اس کا
بھی شافی حل صرف قرآن میں ہے۔

میری گزارش ہے کہ آپ اپنے اکابر کی تحقیقات پر
توجہ دیں۔ کارل مارکس، لینن اور سٹالن اور ماؤزے تنگ
سے رہنمائی کے بجائے اپنے بزرگوں کی تعلیمات پر توجہ دیں۔
ان بزرگوں میں شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کا نام سرفہرست
ہے اور مجھے خوشی ہوئی کہ اس جامعہ میں شاہ صاحب
کی تعلیمات کا کچھ نہ کچھ حصہ اور اقتصادی نظریات کی
تعلیم ہے — آپ نے جدید مسائل کی
وضاحت کی ہے اور یہ کام کارل مارکس کی پیدائش
سے ایک سو سال قبل کیا ہے، ضرورت ہے کہ آج کی
زبانوں میں، آج کے انداز میں اس کو پیش کیا جائے۔
شراب کہنہ در جام نو والی بات ضروری ہے۔ بلکہ دنیا کی
بین الاقوامی زبانوں انگریزی، فرنچ، رشین وغیرہ زبانوں
میں یہ کام ضروری ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ اس
جامعہ سے ایسے نوجوان ضرور پیدا ہوں گے جو یہ فریضہ

اللہ کرے کہ یہ ہماری آرزوئیں بر آئیں ضرورت
ایجاد کی ماں ہے۔ آج حالات کا تقاضا ہے کہ قرآن
پر اس طرح بھی غور کیا جائے۔ اس کو عبادات سے،
عقاید سے اور دوسرے مابعد الموت کی بحث ہے
تو اس میں سیاسی، معاشی مسائل پر بھی بحث ہے اور
ان مسائل کو منقح صورت میں دنیا کے سامنے پیش
کرنا وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے اور اسی پر
عمارت تعمیر کی جائے۔ اور مجھے یقین ہے کہ اگر آپ
نوجوانوں نے اس پر توجہ دی تو آپ ایک ہسٹاریکل لاج
تعمیر کر کے رہیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

بہرحال میں سیرت کے سلسلہ میں عرض کرنا چاہتا
ہوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح شب و
روز گزارے وہ ہماری تاریخ کا عظیم سرمایہ ہے۔ مساوات

کی دنیا میں آئیں تو جب لوگ پیٹ پر ایک پتھر باندھتے ہیں اور پھر آپؐ کے حالات کی تحقیق کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے دو باندھ رکھے ہیں۔ اسی طرح باقی معاملات میں آپؐ نے جس طرح مساوات کا ثبوت دیا ہے وہ حقیقت ہے۔ اگر نوجوان خندق کھود رہے ہیں تو آپؐ بھی برابر کدال ہاتھ میں لیے مصروف عمل ہیں۔ گویا کوئی معاملہ نہیں جس میں آپؐ شریک نہ ہوں۔ آج اگر مساوات کی تلاش ہے تو وہ بھی آپ کو آپؐ ہی کی سیرت میں ملے گی۔

چنانچہ موازنہ کیسے کیا جائے، موقعہ نہیں۔ آج کے علمبرداران مساوات کی زندگی کا آپ جائزہ لیں۔ تو آپ حیران ہوں گے کہ عام آدمی کی زندگی، کسان مزدور کی زندگی کس طرح تلخ ہے۔ اور ان کے بیل و بہار کیا ہیں۔ ارباب حکومت و اقتدار کیسے گزارتے ہیں تفصیل کا موقع نہیں ایک چھوٹا سا واقعہ عرض کرتا ہوں۔ آغا خان سلطان محمد خاں ۱۹۱۲ء میں ماسکو میں گئے۔ انہوں نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ میں نے ماسکو میں دیکھا اس سے پہلے لندن، فرانس، جاپان وغیرہ کی سوسائٹی دیکھی۔ بہرحال ماسکو میں پیٹرس برگ جس کو آج لینن گراڈ کہا جاتا ہے وہاں میں نے اس قدر فحاشی، عیاشی، عریانی اور محلات میں زر و جواہر دیکھے۔ جبکہ باہر غریب لوگ سردیوں میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر رہے تھے۔ جب ۱۹۱۸ء میں انقلاب ہوا تو میں ذرا بھی پریشان نہ ہوا۔ کیونکہ مجھے یقین تھا کہ اس پر خدا کا عذاب نازل ہونا ہی تھا کیونکہ یہاں جو عیاشی اور فحاشی تھی وہ دنیا میں کہیں بھی نظر نہ آئی۔ ۱۹۱۸ء کے انقلاب میں جب مزدوروں نے زار کے برچھے اڑائے تو افسوس نہ تھا کیونکہ خدا کی بے آواز لاٹھی کو آخر حرکت میں آنا ہی تھا۔

لیکن اب بھی وہاں جاکر آپ حالات دیکھیں تو آپ کو عام کسان اور عام مزدور کے حالات ارباب اقتدار سے مختلف نظر آئیں گے۔ گزشتہ دنوں مجھے ان ممالک میں خود جانے کا موقعہ ملا۔ اور ویسے بھی وہاں کے حالات سے واقف لوگوں سے حالات معلوم کئے۔

بہرحال میں عرض کر رہا تھا کہ نبی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو کہا اس پر عمل کر کے دکھایا، آپؐ قرآن کریم کی چلتی پھرتی تصویر ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ قول بڑا مشہور ہے کہ جب ان سے حضرت نبی کریم علیہ السلام کی سیرت کے متعلق سوال ہوا تو انہوں نے فرمایا۔ کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْآنُ۔ اور حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے غالباً، کہ ساکت و صامت قرآن دیکھنا ہے تو یہ موجود ہے اور اگر چلتا پھرتا دیکھنا ہو تو ہمیں دیکھو۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم بھی اپنے متعلق کہہ سکتے کہ چلتا پھرتا قرآن ہم ہیں لیکن افسوس کہ ہم اس پوزیشن میں نہیں۔ ہاں اس میں غور و فکر کیا جائے اور یہ مملکت جو اسلام کے نام پر معرض وجود میں آئی اور جس کا آئین کتاب و سنت کو قرار دیا گیا ہے۔ تو ہمیں عملی زندگی میں یہ ذمہ داری پوری کرنی چاہیے اور جن لوگوں نے عظیم قربانیاں دے کر اسے حاصل کیا ہے کہ یہاں اسلام کا نام ہوگا۔ لے کے رہیں گے، دینا پڑے گا، بن کے رہے گا پاکستان، پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ، کے نعرے لگاتے۔ تو اس میں رنگ بھرنا چاہیے۔

میرا وقت ختم ہو گیا۔ ایک بات کہہ کر معروضات ختم کرتا ہوں۔ میرے پاس ایک اخبار ہے لاہور کا، تنظیم پرانا فائل ہے۔ اس نے عبدالماجد دریا آبادی کا ایک ایڈیٹوریل نقل کیا ہے۔ صدق جدید میں عبدالماجد صاحب لکھتے ہیں۔ تقسیم کے متصل بعد کہ ۱۹۲۲ء میں حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو (جو میرے دادا ہیں) کابل سے مکہ مکرمہ جانے کے لیے پناہ لینی پڑی روسی حکومت سے، کیونکہ ان کے زندہ یا مردہ گرفتار کرنے پر برطانوی حکومت کی طرف سے بڑے انعام کا اعلان تھا اور آپ کے متعدد رفقاء گرفتار ہو چکے تھے، کئی ایک موت کا نشانہ بن چکے تھے۔ بہرحال مجبوراً روسی سفیر نے پناہ دی۔ اور روس پہنچایا۔ اس کے بعد ٹرکی اور اٹلی رہے اور پھر ۱۳ سال مکہ مکرمہ رہے۔ ان کے متعلق عبدالماجد صاحب نے لکھا ہے کہ روس میں

ان کے سامنے کمیونزم پیش کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے بچپن میں قرآن کا ذاتی مطالعہ کر کے سب سے زیادہ انسانیت کے لیے مفید کتاب سمجھ کر اور سب سے زیادہ بہتر کتاب و مذہب سمجھ کر خود قبول کیا تو فریقین نے ایک دوسرے کے سامنے اپنے اپنے نظام کی بہتری پر دلائل پیش کیے۔ بالآخر مولانا نے ان سے اسلام کی عظمت کا سکہ منوا لیا۔ لیکن مولانا کے پاس ان کے اس عذر لنگ کا کوئی جواب نہ تھا کہ اگر یہی باتیں ہیں جو آپ کہتے ہیں اور قرآن میں یہی کچھ ہے اور پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسی پر عمل کیا، خلفائے راشدین نے اسی پر عمل کیا تو آج مسلمانوں کو کیوں سانپ سونگھ گیا؟ آج، عراق میں، افغانستان میں، ایران، سعودیہ، مصر، شام کے اندر کیوں اسلام نہیں نظر آتا؟ وہاں اسلام اور جمہوریت کے بجائے شاہیت ہے؟ سلطان بن سلطان؟ خان بن خان ہے؟ آخر آج ایسا کیوں ہے؟

مولانا نے واضح کیا کہ قرآن کی تعلیمات اس کے ہیں۔ شاہی و شہنشاہی سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں، اسلام میں شہنشاہی صرف خدا کے لیے ہے اور بس — اور فرمایا کہ یہ بدقسمتی ہے کہ مسلمان عمل سے ہٹ گئے اس پر انہوں نے کہا کہ جب تم خود عمل نہیں کرتے تو پھر ہمیں کس بات کی دعوت دیتے ہو؟ اور کیوں دیتے ہو؟ اگر تم لوگ عمل کرو تو ہم غور کریں گے اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر یہ دعوت انقلاب سے پہلے ہمیں ملتی تو پھر ہم اس پر عمل کرنے کا منصوبہ بناتے لیکن آج جب ہم نے کارل مارکس کے نظام کو اپنا لیا ہے۔ تو اب ابتدائی دور میں اس کو بدلنا مشکل ہے (۱۹۱۷ء میں انقلاب آیا ۱۹۲۲ء میں یہ بات ہوئی) ہاں انہوں نے یہ کہا کہ اگر عملی صورت نظر آئی تو پھر غور کیا جا سکتا ہے؟ دریا آبادی صاحب نے یہ واقعہ لکھ کر لکھا کہ اب جبکہ پاکستان بن گیا ہے۔ تو پاکستان کے ایک ایک فرد پر بالخصوص ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ آپ کے بزرگوں نے دلیل و برہان سے اسلام کی عظمت کا لوہا غیروں سے منوایا لیکن عملی طور پر منوانے کا سہرا آپ کے سر ہونا چاہیے!

تو عزیز طلبہ و طالبات! یہ سہرا اب بھی آپ کے سر ہونا چاہیے اور میری دعا ہے کہ آپ قرآن کے نظام کو عملی طور پر نافذ کر کے اس کی عظمت دنیا سے منوا سکیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

## بقیہ: خطبہ جمعہ

تھا۔ اسی طرح ۱۰ رمئی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں سینکڑوں مسلمان شہید ہوئے لیکن ہمارے دلوں میں ان کی شہادت کی کوئی قدر و منزلت نہیں جن کے کارناموں کی بدولت ہماری سنہری تاریخ کے اوراق جگمگا رہے ہیں۔ آج اسلام کے نام پر بنی ہوئی حکومت میں غیروں کے نام کا تو تذکرہ ہے لیکن ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں جو مسلمان شہید ہوئے ان کا کہیں ذکر نہیں۔ جب ہم اسلام کو فراموش کر بیٹھے تو پھر مسلمانوں کی قربانیوں کا ہم کیوں تذکرہ کریں۔ جب غیر مسلموں کے قوانین ہم نے اپنا لیے تو جلوس غیروں کی یاد میں کیوں نہ نکلیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ خداوند قدوس ہمیں ان اسلاف اور مجاہدین کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور اسلام کی خاطر جس طرح انہوں نے قربانیاں دے کر اپنی لازوال تاریخ چھوڑی ہے۔ اللہ ہمیں بھی ویسا قربانی اور ایثار کا جذبہ عطا فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العلمین

---

## سردارِ قوم

سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ (بخاری)

قوم کا سردار وہ ہے جو قوم کا خادم ہو۔

جو بھی ہے غمخوار و خدمت گارِ قوم
فی الحقیقت ہے وہی سردارِ قوم

(ربیعہ شبیر اسلامی)

# اسلاف کی انقلابی تعلیمات اپنا کر عظمتِ رفتہ پھر حاصل کی جا سکتی ہے۔ مولانا عبید اللہ انور

## دینی مدارس کے طلباء میں ملکی سطح پر تقریری مقابلے کرائے جائیں گے۔ جناب ظہیر الدین

### مدرسہ قاسم العلوم میں جلسہ تقسیم انعامات

لاہور ۱۰ مئی۔ انجمن خدام الدین کے امیر اور شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے جانشین حضرت مولانا عبید اللہ انور نے فرمایا ہے کہ ہم اسلاف کی تابندہ روایات کو مشعلِ راہ بنا کر اور ان کی انقلابی تعلیمات کی پیروی کر کے اپنی عظمت رفتہ پھر حاصل کر سکتے ہیں جانشین شیخ التفسیر آج یہاں مدرسہ قاسم العلوم کے ششماہی امتحانات کے بعد منعقدہ جلسہ تقسیم انعامات میں صدارتی خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ مولانا عبید اللہ انور نے طلباء کو تلقین کی کہ وہ زمانہ تعلیم میں درسی کتب و اسباق میں زیادہ سے زیادہ منہمک رہیں۔ دوسرے مشاغل و مصروفیات یا کسی اور جانب ذہنی لگاؤ۔ طالب علم کو علوم درسی سے کما حقہ بہرہ ور ہونے سے محروم رکھتا ہے۔ طلباء کو چاہیئے کہ وہ علم حاصل کرنے کے ساتھ جذبۂ عمل بھی پیدا کریں عمل میں اللہ رب العزت نے اثر خیزی اور برکت رکھی ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں اسلام اسلاف کی عملی دعوت سے پھیلا اور یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ یورپ میں اسلام تلوار بہ داروں کے ذریعہ پہنچا تھا۔ آج وہاں کسی اسلامی حکومت کا نام و نشان تک نہیں ہے اور ہمارے ہاں علماء و صوفیاء کے ذریعہ آیا ہے اس لئے باقی ہے اور قیامت تک رہے گا۔ ہمارے اکابر نے عمل و کردار سے اسلام کی اشاعت تبلیغ کی ہے حضرت رحمۃ اللہ تمام عمر قرآن اور اسلام کی خدمت میں لگے رہے اپنے لئے یا اپنی اولاد کے لئے انہوں نے کوئی لمبی چوڑی جائیداد نہیں بنائی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن پاک کے ترجمہ و تفسیر کی ماہر خواتین کی ایک جماعت تیار کی تھی۔ مخالفین کا بغض و عناد انہیں جادۂ مستقیم سے کبھی نہ ہٹا سکا۔ یہ سب عمل کی برکت ہے اس لئے دینی مدارس کے طلباء کو اپنے اندر جذبۂ عمل بیدار کرنا چاہیئے۔

خطاب سے پہلے حضرت اقدس مولانا عبید اللہ انور نے طلباء میں انعامات تقسیم کئے جو طلباء امتحانات میں اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہوئے ان کے نام یہ ہیں۔

درجہ اول۔ مولوی محمد صدیق۔ مولوی محمد انور، مولوی محمد حسین، مولوی جمال الدین۔

درجہ دوم۔ مولوی بشیر محمد، مولوی عبد الجلال، مولوی حسین احمد، مولوی عبد الخالق۔

جناب حافظ محفوظ احمد کو بھی تلاوتِ کلام پاک پر انعام دیا گیا۔

جلسہ میں طلباء کے درمیان تقریری مقابلہ بھی ہوا۔ محمد عارف صاحب مقررین میں اول جناب مومن شاہ دوم محمد عبید اللہ صاحب سوم اور قاری عبد الکریم چوتھے درجے پر کامیاب قرار دیئے گئے۔

انجمن خدام الدین کے جنرل سیکرٹری جناب ظہیر الدین نے جلسہ میں اعلان کیا کہ طلباء میں شوق و جذبہ پیدا کرنے کے لئے تقاریر کے اس سلسلے کو وسعت دے کر عنقریب شہر کے تمام دینی مدارس اور اس کے بعد پورے ملک کے مدارس عربیہ کے طلباء کا مقابلہ کرایا جائے گا۔ انہوں نے طلباء پر زور دیا کہ وہ معاشرے میں باوقار طریقے سے رہیں اور ایسی معلومات سے بھی واقفیت حاصل کریں جن سے شب و روز واسطہ پڑتا ہے۔

## دینِ اسلام کے قلعے

# مدرسہ اسلامیہ صادقیہ منچن آباد اور مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی

مدیر کے قلم سے!

گزشتہ دنوں ضلع بہاول نگر کے دو مقامات یعنی منچن آباد اور فقیر والی حاضری کا اتفاق ہوا تقریب حاضری یہاں کے دو عظیم مدارس کے سالانہ جلسوں میں شمولیت تھی۔ برادر دینی زاہد الراشدی کی رفاقت حاصل تھی۔ مجھے اور برادر موصوف کو پہلی مرتبہ ان مقامات پر حاضر ہونے کا اتفاق ہوا حقیقت یہ ہے کہ دل کو ایک گونہ طمانیت حاصل ہوئی کیونکہ ان مدارس کو دیکھ کر کئی بھولی بسری یادیں تازہ ہوگئیں۔ انگریز کا قہر و جبر آنکھوں کے سامنے آگیا، قافلہ حق کی بے بسی و مظلومی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا اور اس کٹھن کے ماحول میں سالار قافلہ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کی سوچ کا اندازہ ہوا کہ کس طرح آپ نے مدارس کا جال بچھا کر انگریزی استبداد کو ناک چنے چبوائے اور دینی شعائر و اقدار اور عقائد و علوم کی حفاظت کی۔

سچی بات یہ ہے کہ ہر آنے والا دن اپنے جلو میں مدارس کے معاملہ میں نئی نئی حقیقتیں لے کر طلوع ہوتا ہے اور اپنے اکابر کی عظمتوں کو بے ساختہ خراج عقیدت پیش کرنے کو جی چاہتا ہے۔ آپ اندازہ لگائیں کہ حکومت برباد ہو چکی ہے مدارس و مساجد نوحہ کناں ہیں، انسان نما بھیڑیئے انتقام کی آگ میں وہ کچھ کر رہے ہیں کہ الامان، ایسے میں بوریہ نشینوں کی ایک جماعت جو خود ستم رسیدہ اور مظلوم ہے بلکہ سب سے زیادہ آگے بڑھ کر مدارس کی تحریک شروع کرتی ہے اور اس طرح دیکھتی آنکھوں پھر صحن چمن میں بہار لوٹ آئی ہے۔

ان میں سے ایک مدرسہ وہ ہے جو جمعیۃ علمائے اسلام پاکستان کے نائب امیر مولانا محمد شریف وٹو کی نگرانی میں دین و علم کی خدمت میں مصروف ہے اس کا نام مدرسہ اسلامیہ صادقیہ آباد ہے ۱۳۲۹ھ میں یعنی آج سے ۷۰ سال پہلے قائم ہوا بانی موجودہ مہتمم کے والد بزرگوار مولانا غلام قادر صاحب جو بقول علامہ انور شاہ کشمیری فقیہ پنجاب تھے اور بقول اعلیٰ حضرت دین پوریؒ مادر زاد ولی۔

(روایت حضرت درخواستی)

اس مدرسہ کی تقریب سنگ بنیاد میں حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ شامل تھے اور یہ بہت بڑا اعزاز ہے۔ مرحوم بانی نے تحریک خلافت میں بھرپور حصہ لیا اور سینکڑوں لوگ ان کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے جب کہ توبہ کرنے والوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔

مرحوم کی دوسری بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ اس علاقہ میں مسلک حقہ جو عرف عام میں دیوبندیت کہلاتا ہے کے بانی ہیں اس سے پہلے یہ سلسلہ یہاں نہ تھا سیاسیات میں آپ کا تعلق حضرت شیخ الہند حضرت امروٹیؒ سے رہا اور اس سلسلہ میں آپ بارہا مرتبہ امروٹ شریف تشریف لے گئے۔

مدارس کے قیام میں آپ ہمیشہ جدوجہد فرماتے جس کا نتیجہ چالیس مدارس کے قیام کی شکل میں نکلا جیسا کہ صادق الاخبار نے اپنی رپورٹ میں لکھا، ان میں سے بعض مدارس راجپوتانہ میں ضائع ہوگئے جب کہ کئی ایک بحمدہٖ قائم ہیں۔

آپ کے مشن میں تعلیم نسواں بھی شامل تھی اور اس کا سبب بچیوں کی صحیح تعلیم و تربیت کا جذبہ تھا کیونکہ تعمیر ملت کا بہت زیادہ انحصار اس پر ہے اور اس سلسلہ میں آپ کا کردار مثالی تھا اسی وجہ سے مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے دیوبند

میں طلبہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے اس معاملہ میں آپ کی مثال پیش کی۔ اور تقلید پر زور دیا۔

مرحوم کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا عبدالرحمٰن منتظم تھے پھر مولانا محمد امیر صاحب جو ۵۶ء میں جمعیتہ علماء اسلام کی تشکیل جدید کے وقت حضرت لاہوری قدس سرہٗ کے ساتھ نائب امیر منتخب ہوئے۔ آپ حضرت علامہ کشمیری کے شاگرد تھے ، سیاسی قیادت ان کے ہاتھ میں تھی۔ تحریک خلافت میں ۲ سال قید کاٹی بلکہ وہاں ۶۰ گھنٹہ بھوک ہڑتال کی اور عوام کے سوال پر فرمایا جسم کم ہوا ایمان بڑھا اسی طرح ۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھرپور حصہ لیا۔ مرحوم کے بعد حضرت مولانا محمد شریف منتظم قرار پائے جو بحمدہٗ اب تک خدمت میں مصروف ہیں ، موصوف ایک فعال ، متحرک ، دردِ دل رکھنے والے عالم دین ہیں۔ زبردست عالم دین ہونے کے ساتھ سیاسی سوجھ بوجھ میں قدرت نے ان کو حصہ وافر عطا فرمایا اور پھر ان کے تحریکی ذہن ، عملی کردار اور جماعت سے زبردست لگاؤ کے پیش نظر گذشتہ جماعتی انتخاب میں ملک بھر کے جماعتی ورکروں نے انہیں نائب امیر مرکزیہ منتخب کیا۔

میں نے جلسہ پر ذاتی طور پر جو کچھ دیکھا وہ جماعتی اعتبار سے انتہائی حوصلہ افزا تھا اور ۷۰ء کے جھکڑ میں بھی یہاں جمعیتہ کو بڑی معقول پوزیشن حاصل ہوئی تھی میرے ایک سوال پر مولانا نے بتلایا کہ یار لوگوں نے ہمارے واویلا کے باوجود انتخابی حلقوں میں گڑبڑ کر دی ہے تاہم ہم ٹکر لیں گے اور ضرور اور انشاءاللہ نتائج بہتر ہوں گے۔

ایک سوال پر موصوف نے بتایا کہ ابتدا ہی سے ہمارا جلسہ ہوتا ہے جس میں علامہ کاشمیری بھی آئے اکثر حضرت مدنی آئے مولانا لاہوری اور امیر شریعت تو ہمیشہ تشریف لائے اور آج کی برکات میں ان کا بڑا دخل ہے۔ قاری محمد طیب صاحب بھی کئی بار آئے اور اب حضرت درخواستی ، حضرت مفتی صاحب حضرت مولانا عبید اللہ انور حضرت مولانا خان محمد جیسے اکابر قریباً ہمیشہ ہی آتے ہیں اور جلسہ کے دن علاقہ بھر کے لوگوں کی دینی و روحانی تربیت فرماتے ہیں۔ اس وقت ۱۹ حضرات کا عملہ چار صد کے قریب طلبہ کی تعلیم و تربیت میں مشغول ہے۔ وسیع و عریض قطعہ اراضی ہے سادہ لیکن مضبوط عمارتیں ہیں ـــــ دوسرا مدرسہ جہاں حاضری ہوئی وہ ہے مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی جو آج سے ۳۷ سال قبل قائم ہوا مولانا فضل محمد صاحب مہتمم بانی ہیں آج بڑھاپے میں بھی وہ جوانوں سے زیادہ باہمت ہیں۔ ابتدا میں مدرسہ ہی مدرسہ تھا اردگرد آبادی ندارد ، ڈر محسوس ہوتا لیکن اب فقیر والی اچھا بھلا قصبہ ہے مدرسہ کی اپنی وسیع عمارات ہیں دورہ حدیث تک تعلیم ہے۔ قابل ترین اساتذہ موجود ہیں۔

مدرسہ کی ۳۷ سالہ رپورٹ کے مطابق ۵۰۰ طلبہ نے پرائمری ۲۲۵ نے مڈل ۸۰ نے میٹرک ۱۵ نے ایف۔ اے اور ۴۲ نے مولوی فاضل ۲۵ نے منشی فاضل اور ۸ نے مولوی عالم اور ۳ نے ایم ، اے کا امتحان پاس کیا۔ اس کے علاوہ سینکڑوں طلبہ نے درس نظامی میں امتیازی حیثیت سے کامیابی حاصل کی۔ مدرسہ میں مولانا ظہور احمد دیوبندی مولانا محمد نعیم حال شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند مولانا محمد عبداللہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال مفتی فاروق احمد صاحب سابق مفتی دیوبند اور علامہ عبدالعزیز جیسے فاضل اساتذہ مصروف تعلیم رہے ہیں۔

اس مدرسہ کا جلسہ بھی مدتوں سے ہو رہا ہے جس میں قاری محمد طیب صاحب ، حضرت درخواستی ، مفتی محمود صاحب جیسے اکابر تشریف لائے ، لاتے ہیں۔ ہندو پاک کے جیّد علماء کرام ، ریاست بہاول پور کے اعلیٰ افسران اکثر اس مدرسہ میں آتے ہیں اور بڑی اچھی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ اس مدرسہ میں جس چیز نے سب سے زیادہ ہمیں متاثر کیا وہ ہے اس مدرسہ کی لائبریری۔ درسیات سے متعلق لاتعداد کتابوں کے علاوہ مختلف موضوعات پر ہزاروں کتابیں ہیں جن سے ملک بھر کے ارباب تحقیق استفادہ کرتے ہیں اس کے علاوہ ہندو پاک کے مشہور رسائل و جرائد کی سالہا سال کی مکمل فائلیں ہیں جو گویا ایک بہترین اور قیمتی سرمایہ ہے۔ دو دن اس علاقہ میں رہ کر ہم حسین یادیں لے کر واپس لوٹے۔ خدا ان مدارس کو قائم رکھے۔

---

سیاست و مذہب میں وہی تفریق کرتے ہیں
کہ جن کا کام ہے شام و سحر باطل کا دم بھرنا

# داڑھی

## نورِ مومن، زینتِ مرد، شعائرِ اسلام، سنّتِ انبیاء

## اور

## اسوۂ حسنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے!

حاجی کمال الدین جامعہ اسلامیہ شالامار ٹاؤن لاہور نمبر ۹

داڑھی جیسی مقدس اور پُر فضیلت چیز کو نہ رکھنا مسلمان کی انتہائی بدنصیبی ہے۔ موجودہ زمانہ میں داڑھی منڈانے کی رسم اتنی عام ہو گئی ہے کہ داڑھی رکھنے والے حضرات معاشرے میں ایک قسم کے اچھوت بن گئے ہیں۔ مگر آفرین ہے انہی اچھوتوں کو کہ معاشرے کی تمام مخالفتوں کے باوجود بھی فرمانِ مصطفےٰ کے مطابق یہ لوگ سو شہیدوں کا ثواب پا رہے ہیں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ میری اُمّت کے بگڑ جانے کے وقت جس نے میری کسی سُنّت کو زندہ کیا اور ماحول کے مخالف ہونے کے باوجود مضبوطی سے اس پر عمل کیا تو اس کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر بھرپور داڑھی تھی۔ قاضی عیاضؒ کی تصنیف شفا میں یہ روایت مذکور ہے کہ آپ کی ریش مبارک اتنی گھنی اور بھرپور تھی کہ سینۂ اطہر کو بھر دیتی تھی۔ امام ترمذی نے بھی حلیہ شریف کے ذیل میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ آپ گھنی داڑھی والے تھے اور ایک حدیث میں ہے کہ جب حضورؐ کی داڑھی چار انگل یا مٹھی بھر سے زائد ہو جاتی تھی تو آپ لمبائی اور چوڑائی میں سے کسی قدر کتر لیا کرتے تھے۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ داڑھی رکھنا یا بڑھانا سُنّتِ رسولؐ ہے، رکھ لیں تو ثواب ہے نہ رکھیں تو کوئی گناہ بھی نہیں۔ ذیل کی روایت سے آپ کو بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ داڑھی رکھنا سُنّتِ رسول ہی نہیں بلکہ حکمِ خداوندی ہے۔

باذانِ گورنر یمن کے داڑھی منڈے سفیر جب دربارِ رسالت میں پہنچے تو حضورؐ کو اُن کی مُنڈی ہوئی داڑھی اور بڑھی ہوئی مونچھیں دیکھ کر سخت صدمہ ہوا۔ اور فرمایا، تمہاری ہلاکت ہو تمہیں کس نے کہا ہے کہ ایسی مکروہ شکل بناؤ۔ انہوں نے کہا ہمارے رب بادشاہ کسریٰ نے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے تو میرے رب نے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹوانے کا حکم دیا ہے (داڑھی کی قدر و قیمت صہ ۳۸)

اس سے معلوم ہوا کہ داڑھی منڈانے والا حضورؐ کی نگاہوں سے اتنا گر جاتا ہے کہ حضورؐ اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں فرماتے۔ داڑھی منڈے عشاقِ رسول کو اس سے سبق لینا چاہئے ایسا نہ ہو کہ میدانِ حشر میں حضورؐ چہرۂ انور کو ان کی طرف سے پھیر لیں تو پھر ان لوگوں کا ٹھکانا کہاں ہو گا۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ داڑھی بڑھانے کا حکم آپ نے اپنی طرف سے نہیں دیا بلکہ حکم تو خدا کا ہے اور آپؐ اس حکم خداوندی کو نافذ کرنے والے ہیں لہٰذا سنتِ سمجھ کر اسے ترک کر دینا حکمِ الٰہی کو نہ ماننے کے مترادف ہے۔ اسی طرح طبقات ابنِ سعد میں یہ حدیث موجود ہے کہ مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ اپنی داڑھی کو بڑھاؤں اور مونچھیں کترواؤں (طبقات بحوالہ داڑھی کی قدر و قیمت صہ ۳۶)

درمنثور میں یہ روایت موجود ہے کہ بڑی بڑی مونچھوں اور مُنڈی ہوئی داڑھی والا ایک مجوسی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو آپؐ نے اس کی مکروہ شکل کی طرف دیکھ کر اشارہ فرماتے ہوئے پوچھا کہ یہ حلیہ کیوں بگاڑ رکھا ہے تو اس نے کہا یہ تو ہمارا دین ہے اس پر آپؐ نے فرمایا کہ ہمارے دین میں تو یہ حکم ہے کہ مونچھیں کٹائی جائیں اور داڑھی بڑھائی جائے (درمنثور) معلوم ہوا کہ داڑھی بڑھانا صرف رواج عرب یا عادتِ رسول ہی نہیں بلکہ دینِ اسلام کا ایک اہم مسئلہ ہے جسے شعارِ اسلام کہنا چاہیئے کیونکہ حضورؐ کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹوانے پر اتنا زور اس لیے بھی دیا تھا کہ

اس سے مجوسیوں، یہودیوں، نصرانیوں اور کفار و مشرکین کی مخالفت کرنا مقصود تھا اور جس چیز کو دوسرے مذاہب کے بالمقابل بطور نشان کے اختیار کر لیا جائے وہ مذہبی شعار ہوتا ہے۔ مونچھیں کٹانے کا شعارِ اسلام ہونا تو اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے (ترمذی ص ۱۰) یعنی جس نے اپنی مونچھیں نہ کٹوائیں وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمان نہیں سمجھا جائیگا کیونکہ اس کا چہرہ اسلامی نشان کے مطابق نہیں۔ داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹوانے دونوں کے مشترکہ شعارِ اسلام ہونے پر یہ حدیث مضبوط دلیل ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضورؐ سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ داڑھیاں بڑھا کر اور مونچھیں کترا کر مشرکین کی مخالفت کرو اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ مجوسیوں کی مخالفت کرو تو گویا داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹانے کا حکم اسلام نے اس لیے دیا ہے تاکہ بڑھی ہوئی داڑھی اور کٹی ہوئی مونچھیں اسلام کا نشان بن جائیں اور دیکھتے ہی داڑھی والا شخص یہودیوں اور مجوسیوں سے ممتاز ہو جائے۔ یہی فائدہ حاصل کرنے کے لیے مذاہب میں اپنے اپنے شعار مقرر کئے جاتے ہیں اس لیے داڑھی کا شعارِ اسلام ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور اس کے برعکس داڑھی منڈانے اور مونچھیں بڑھانے کو شعارِ کفر ہی قرار دیا جائے گا کہ یہ اُن کا نشان ہے۔

داڑھی کے متعلق اُسوۂ صحابہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ فتح القدیر میں حضرت عمرؓ کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ کی داڑھی بڑی ہوتی تھی اور مٹھی بھر سے زائد کترا دیا کرتے تھے۔ تاریخ ابن کثیر میں حضرت عثمان غنیؓ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ بڑی داڑھی والے تھے۔ فتح القدیر میں حضرت ابوہریرہؓ کے بارے میں بھی ہے کہ آپ کی داڑھی بڑی تھی اور آپ چار انگل سے زیادہ کو کٹوا دیتے تھے۔ اسی طرح سے حضرت ابوبکرؓ کی داڑھی بھی گھنی ہوتی تھی۔ مگر حضرت عثمانؓ کی داڑھی پتلی اور لمبی تھی اور حضرت علیؓ کی داڑھی تو اتنی چوڑی اور پھیلی ہوئی تھی کہ اس نے آپ کے کندھوں کے درمیان سینہ مبارک کو بھر رکھا تھا۔

صحابہؓ کرام کے بعد دورِ تابعین سے لے کر ہندوستان میں انگریزوں کے آنے تک داڑھی رکھنے میں پوری امت کا عمل تھا۔ ہندو اور جاٹ اگرچہ داڑھی منڈاتے تھے مگر مسلمان چونکہ حکمران قوم کے افراد تھے اس لیے وہ ان کی اور دیگر کافر اقوام کی تہذیب سے مرعوب نہ تھے۔ داڑھی رکھنے کو شرافت اور معزز ہونے کی علامت سمجھا جاتا تھا اس لیے کسی مسلمان کے داڑھی منڈانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ تو انگریزوں کے ناپاک قدموں کی نحوست ہے۔ جب سے وہ ہندوستان میں حکمران ہو کر آئے۔ انہوں نے اسلام کے فرزندوں سے بارہ سو سالہ تاریخ کا انتقام لینے کے لیے ان کی تہذیب و تمدن کو ان کے کلچر و فیشن کو ان کے علوم و فنون کو ان کے دین و مذہب کو ان کے عقائد و خیالات کو بگاڑنے اور مسلمان قوم کو نام کے سوا باقی ہر لحاظ سے کافر و ملحد بنا دینے کا ایک زبردست پروگرام بنایا تھا اور اس غرض سے اپنی حکومت کی پوری مشینری وقف کر دی۔ یورپ سے پادری منگوائے ان کی مشنریاں قائم کیں۔ جنہوں نے سکولوں، کالجوں، ہسپتالوں، پمفلٹوں، جلسوں، مناظروں اور جعلی نبوتوں کے ذریعہ مسلمانوں کو اپنے دین حنیف سے منحرف کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ درسگاہوں میں ایسا نصابِ تعلیم جاری کیا جس سے مسلمانوں کی نوجوان نسل نام کے لحاظ سے تو گو مسلمان رہی مگر دل و دماغ، ذہن و فکر، سوچ بچار، شکل و صورت، خوراک و پوشاک اور رہن سہن کے لحاظ سے پوری انگریز بن گئی۔ یہی لارڈ میکالے کی سکیم تھی جو اس انگریزی نصاب کا اولین مصنف تھا۔ اس نے برملا کہا تھا کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ایسا نصابِ تعلیم تیار کریں جسے پڑھ کر مسلمان خواہ انگریز تو نہ بن سکیں مگر مسلمان بھی نہ رہیں۔ افسوس صد افسوس مسلمانوں کی سیاہ بختی کی وجہ سے دشمنانِ اسلام کی یہ سکیم پوری ہو کر رہی اور انگریز تو چلا گیا مگر انگریز کا لگایا ہوا یہ تخم خبیث خوب پھل پھول رہا ہے۔ اس زیورِ تعلیم سے آراستہ نوجوان اپنے آباؤ اجداد کو احمق، اپنی تہذیب و تمدن کو جاہلیت، اپنے علوم و فنون کو ملائیت اور اپنے تاریخی کارناموں کو حوادث اور افسانے سمجھ رہا ہے۔ انگریز حکومت کے جاہ و حشم کو دیکھ کر انگریز قوم کے تعیش پسند معاشرے کا مشاہدہ کرکے اور انگریزی سکولوں اور کالجوں میں تعلیم پا کر مسلمان نوجوان اتنا مرعوب، شکست خوردہ اور احساسِ کمتری میں مبتلا ہو گیا کہ انگریز اور یورپ سے تعلق رکھنے والی ہر فضول و واہیات شے میں اپنی کامیابی و ترقی نظر آنے لگی اور اس کی ہر گھٹیا اور کمینی ادا کو یہ اپنے لیے ذریعہ نجات اور وسیلۂ فلاح و بہبود سمجھنے لگا۔ آج اگرچہ ہم ظاہری طور پر

آزاد ہیں لیکن ہماری نئی پود اور نوجوان نسل ذہنی اور فکری لحاظ سے بُری طرح یورپ اور امریکہ کی غلامی میں مبتلا ہے۔ یہ اسی کا اثر ہے کہ انہوں نے سر سے ٹوپی اُتار لی تو ہم نے بھی عمامہ اتار دیا۔ انہوں نے سر پر بودے رکھے تو ہم نے بھی اس بودے پن کو قبول کر لیا۔ انہوں نے داڑھی سے نجات حاصل کی تو ہم نے بھی مجرموں کی طرح داڑھی منڈوا کر اطمینان کا سانس لیا۔ انہوں نے شلوار چھوڑ کر پتلون پہنی جو انتہائی شرمناک لباس ہونے کے باوجود ان کی نقالی میں ہم نے بھی شلوار اتار دی۔ انہوں نے اپنے مذہبی شعار کے طور پر شبیہہ صلیب کو ذرا تراش خراش کر کے ٹائی کی صورت میں گلے میں باندھا تو ہم نے بھی غلامی اور پھانسی کا پھندا ہنسی خوشی اپنے گلے میں ڈال لیا۔ انہوں نے مذہب کو انفرادی معاملہ قرار دے کر قومی اور اجتماعی طور پر سائنسی ترقی کو اپنا مطمح نظر بنایا تو ہم نے بھی سائنسی ترقی کو تو نظر انداز کر دیا مگر مذہب اور قابلِ احترام مذہبی شخصیات کو اپنی تضحیک اور استہزاء کا نشانہ بنا لیا۔ نتیجۃً ہمارے مذہب ہماری تاریخ ہماری کلچر اور ہماری قوم سے وہ خوفناک انتقام جو عیسائی اور یہودی تیرہ صدیوں میں نہ لے سکے وہ ہمارے اس فریب خوردہ بھکی ہوئی نوجوان نسل سے پچھلے پچاس برس میں لے لیا۔ یہ سلسلہ خدا کرے یہیں رُک جائے ورنہ خطرہ ہے کہ یورپ اور امریکہ والے تو مادر زاد ننگے ہونے اور شاہراہوں اور پارکوں میں بر سرِ عام جنسی وظیفہ سرانجام دینے میں بڑا فخر محسوس کرنے لگے ہیں۔ کبھی اس طرح ہمارے نوجوان بھی انسان نما چوپایوں کے ڈگر پر چل کر شرم و حیا اور دین دھرم کو خیر باد نہ کہہ دیں۔

تہذیبِ فرنگی کا یہ تحفہ ہے
کہ انسانوں کو حیواں کر کے چھوڑا

داڑھی رکھنا کوئی لغتِ عرب کا حکم نہیں بلکہ یہ تو اللہ جلّ شانہٗ اور اس کے رسولؐ کا حکم ہے جو آپ نے حضرت صحابہ کرام کو دیا لہٰذا اس حکم کی تعمیل کے لیے ہمیں رسولِ خداؐ اور آپ کے صحابہؓ کے عمل کو دیکھنا ہوگا کہ انہوں نے کس طرح اس حکم کی تعمیل کی۔ جب ہم اس نظر سے تاریخ کو دیکھتے ہیں تو ہمیں بلا خوف تردید پتہ چلتا ہے کہ زمانہ رسول میں نہ دورِ صحابہ میں اور نہ ہی عصرِ تابعین میں کسی بھی شخص کی داڑھی مٹھی بھر سے کم ثابت نہیں کی جا سکتی تو جو داڑھی مٹھی بھر سے کم ہے اسے فیشن تو کہا جا سکتا ہے خود فریبی بھی کہہ سکتے ہیں مگر وہ شرعی داڑھی نہیں جس سے حضورؐ کے فرمان کی تعمیل ہوتی ہو۔ اس لیے داڑھی منڈانے اور مقدارِ مشت سے کم کو کترانے میں حقیقتاً کوئی فرق نہیں۔ فرمانِ رسولؐ کی خلاف ورزی کرنے میں دونوں یکساں مجرم ہیں۔ فاسق و فاجر ہونے کا جو حکم داڑھی منڈانے والے پر عائد ہوگا وہی کترانے والے پر بھی منطبق ہوگا اور جس طرح داڑھی منڈا امامت کرانے کے لحاظ سے نااہل ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اسی طرح داڑھی کترانے والا بھی ناقابلِ امامت ہے۔ اس کے پیچھے فرض نماز اور تراویح صحیح نہیں ہوتی۔

داڑھی کو چار انگل کی مقدار تک بڑھانا واجب ہے اور اس سے کم کرنا کترا کے یا منڈا کے عملی طور پر حرام ہے۔ منڈانے یا کترانے کو مکروہ تحریمی کہنا صرف اس وجہ سے ہے کہ اس کا ثبوت نصِ قرآنی سے ثابت نہیں بلکہ صرف احادیثِ رسولؐ سے ہے ورنہ عملی طور پر اس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ حضورؐ کے تاکیدی احکامات کی صریح خلاف ورزی ہے جنہیں آپ نے الفاظ بدل بدل کر مختلف پیرایوں میں ارشاد فرمایا اور خود اپنے اور صحابہؓ کے عمل سے اس کی تصدیق کی۔ داڑھی منڈوانے یا کترانے والے شخص کی امامت بھی مکروہ تحریمی ہے۔ ایسے شخص کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز واجب الاعادہ ہے۔ خواہ فرض ہو یا نمازِ تراویح۔ ایسے حافظ کے پیچھے تراویح پڑھنے کی بجائے کسی ایسے شخص کے پیچھے تراویح پڑھ لینا اولیٰ ہے جو خواہ قل ھو اللہ کے ساتھ تراویح پڑھائے مگر اس کا چہرہ سنّتِ رسول سے مزیّن ہو۔ اگر کسی مسجد میں ایسا امام مقرر ہے تو اہلِ محلہ پر لازم ہے کہ وہ اس کو علیحدہ کر کے کسی عاملِ سنت کو امام مقرر کریں ورنہ سب گنہگار ہونگے۔ اگر ابتداً کسی کو امام مقرر کرنا ہو تو دیگر شرائط کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھا جائے گا کہ اس کی داڑھی مقدار مسنون سے کم تو نہیں۔ اگر کم ہو یا بالکل ندارد ہو تو ایسے امام کا مقرر کرنا بالکل ناجائز ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ صـ ۲۹۲-۲۹۶-۲۹۷)

جن خداداد چیزوں کی وجہ سے اللہ پاک نے عورت کے مقابلے میں مرد کو امتیاز بخشا ہے ان میں سے ایک داڑھی بھی ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ مردانگی کی اس سند کو بڑے فخر کے ساتھ محفوظ رکھا جاتا۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ مردوں نے داڑھی مونچھ کٹا کر اور سروں پر عورتوں کی طرح لمبے لمبے بال رکھ کر اور بدن پر زنانہ چھینٹ دار کپڑے پہن کر عورتوں کے مشابہ ہو جاتے ہیں۔ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ یہ مرد ہے یا عورت۔ لڑکا ہے یا لیڈی۔ خسرا ہے یا

خسری، زنخہ ہے یا زنخی۔ ایک پتلون اور شلوار کا فرق تھا سو عورتوں نے دلیری کر کے شلوار کی بجائے مردوں سے پتلون بھی چھین لی ۔

بے چارہ مرد اب کس کام کا ہے
جسے عورت نے ہر پہلو پچھاڑا

بعض لوگ بڑی بڑی مونچھیں رکھ کر اپنی مردمی اور چودھراہٹ کا اظہار کیا کرتے ہیں۔ وہ مرد اور چودھری تو کیا بنیں گے اچھے خاصے جانور بن جاتے ہیں اور پھر فخر سے کہتے ہیں کہ شیروں کی مونچھیں بڑی ہی ہوتی ہیں۔ مانا کہ تم شیر (جانور) بن گئے لیکن مرد بننا تو نصیب نہیں ہوا۔ ؎

خدا تجھ کو نگاہِ دُور بین دے۔ آمین ثم آمین !!

مرد اور عورت دونوں از روئے شریعت اپنی اپنی حدود کے پابند ہیں۔ نہ تو عورت کو یہ چاہیئے کہ اپنی ردائے نسوانیت اتار کر مردوں کی ہم شکل بنیں اور نہ ہی مرد کو چاہیئے کہ وہ فیشن میں مبتلا ہو کر داڑھی مونچھ منڈوا کر عورتوں کی شکل اختیار کرے۔ ایسے مرد اور ایسی عورتیں دونوں خدائے تعالیٰ کی نگاہ میں ملعون ہیں۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ نے لعنت بھیجی ہے عورتوں سے مشابہت کرنے والے مردوں پر اور مردوں سے مشابہت کرنے والی عورتوں پر (بخاری بحوالہ مشکوٰۃ صہ ۳۸۰)

حضورؐ کے زمانہ میں عام طور پر مجوس اور مشرکین داڑھیاں کتراتے اور مونچھیں بڑھاتے تھے اس لیے حضورؐ نے حکم دیا جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ مونچھیں کٹا کر داڑھیاں بڑھا کر مشرکین کی مخالفت کرو۔ حضرت ابوہریرہؓ سے بھی یہی روایت ہے کہ مونچھیں کترا کر اور داڑھیاں بڑھا کر مشرکین اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ داڑھی منڈانا یا کترانا اور مونچھیں بڑھانا مجوس اور مشرکین کا شیوہ ہے اور داڑھی بڑھانا اور مونچھیں کترانا اسلام کا شعار ہے۔ کیونکہ اس سے ظاہری طور پر کفر کے مقابلے میں اسلام کا امتیاز قائم ہوتا ہے۔ پھر جو اس امتیاز کو قائم رکھتا ہے وہ اسلام کو قائم رکھنے کی سعی کرتا ہے اور جو اس امتیاز کو ختم کرنے کی کوشش میں ہے وہ اسلام کو ڈھانے اور کفر کو قائم کرنے کے فعل نامحمود کا مرتکب ہوتا ہے۔ آج ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ کس طرح ہم لوگ اپنی اسلامی شکلوں کا ستیاناس کر کے کفر کی رونق بڑھاتے ہیں اور سنتِ رسولؐ اور شعارِ اسلام کے زندہ کرنے والوں کی کتنی ڈھٹائی سے حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔

ہماری بدقسمتی سے یہ دن بھی آنے تھے کہ اسلامی شعار خود اپنے گھر میں اتنے بیگانے ہو گئے ہیں کہ ہم معاذ اللہ داڑھی کو ایک پرائی چیز سمجھنے لگ گئے ہیں۔ ہماری نوجوان نسل نے تو باپ دادوں کی داڑھیاں کسی قدر دیکھ رکھی ہونگی۔ اس لیے وہ داڑھی سے اس قدر نہیں بدکتے۔ مگر آگے جو ان کی نئی پود پیدا ہو رہی ہے ان کے لیے تو داڑھی والا معاذ اللہ چڑیا گھر کا کوئی جانور ہے یا خدا نخواستہ وہ کوئی ہپوری ہے جو سیاحت کے لیے ان کے ملک میں آ گیا ہے۔ بچے اتنے متعجب ہوتے ہیں کہ حیران ہو ہو کر ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ یہ کیا ہے ؟ افسوس !

اسلام کیونکہ صفائی اور پاکیزگی کا مذہب ہے۔ مناسب ہوگا کہ پانچ خصائل فطرت بھی لکھ دی جائیں۔ حضورؐ نے ان پانچ چیزوں کو انسان کی فطرت کا تقاضا بتلایا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا:۔ پانچ چیزیں فطرتِ انسانی کا جز ہیں :۔

(۱) ختنہ کرنا (۲) زیرِ ناف استرہ استعمال کرنا (۳) بغلوں کے بال لینا۔ (۴) ناخن کاٹنا۔ (۵) مونچھیں کترانا۔ (موطا مالک صہ ۱۲۰)

اب ان میں ہر چیز پر غور کر کے دیکھ لیں۔ اگر حضورؐ کے ارشاد کے مطابق ان پر عمل نہ کیا جائے تو جسم انسانی کی گندگی کا جو عالم ہوگا اس کے تصور ہی سے صفائی پسند انسان کو گھن آتی ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے بغلوں کے بال لینے۔ مونچھیں کترانے۔ ناخن کٹوانے اور زیرِ ناف بال صاف کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ چالیس دن مقرر فرمائے ہیں (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ صہ ۳۸) تو گویا اس سے زیادہ دیر کرنا حرام ہے لیکن ہر ہفتے یہ صفائی حاصل کرنا امر مستحب ہے جیسا کہ عالمگیری صفحہ ۲۲۸ پر مرقوم ہے۔

## دینی اصلاح

# اصلاح ضروری ہے لیکن ـــــ طریقِ کار صحیح ہونا چاہیے

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی کا ایک فتویٰ معہ سوال قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے، جس کا تعلق ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے ہے موصوف مودودی صاحب کے عقیدت مندوں میں سے تھے بعد میں علیحدہ ہو گئے لیکن ان کی موجودہ تحریک سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی ابتدائی اٹھان کا انداز بھی وہی ہے جو مودودی صاحب کا تھا جو تحریکیں ملت کے لیے بعد میں مسائل پیدا کر کے مزید الجھاؤ اور انتشار کی صورتیں پیدا کرتی ہیں ان کے انداز وہی ہوتے ہیں جو ڈاکٹر صاحب کی تحریک کا ہے اس لیے ہم اس فتویٰ کی اشاعت کر رہے ہیں تاکہ خلق خدا سنبھل جائے و وبیدہ التوفیق (ادارہ)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین دربارہ اس رسالہ کے جو لاہور سے بعنوان "شادی بیاہ کی تقریبات" کے ضمن میں ایک اصلاحی تحریک کا آغاز چھپا ہے جس میں صفحہ اول پر چند امور ہیں

۱۔ عبارت اس طرح ہے "مجھے گزشتہ چند سالوں میں احباب و رفقاء کے شدید تقاضوں پر متعدد احباب کے یہاں شادی کے موقع پر نکاح پڑھانے کا اتفاق ہوا میرا معمول ان مواقع پر یہ رہا کہ خطبۂ نکاح کی صورت یہ نہ ہوتی کہ جب محض دولہا ہی کو سنانا مطلوب ہے یا صرف بطور جنتر منتر پڑھ دینا مقصود ہے بلکہ خطبۂ نکاح ایک باقاعدہ خطاب کی صورت میں ہوتا اور اس میں ان آیات و احادیث کی وضاحت ہوتی جو نکاح کے مسنون خطبے میں آتی ہیں۔"

۲۔ صفحہ ۵ پر یہ عبارت ہے "تو اگر نکاح کے موقع پر لڑکی والوں کے یہاں بھی دعوتِ طعام کوئی اچھا کام ہوتا اور اس میں کوئی بھی پہلو خیر کا موجود ہوتا تو کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس کا حکم نہ دیتے یا کم از کم درجۂ استحباب ہی میں اس کا ذکر نہ فرماتے؟ اور جب اس کا کوئی ذکر ہمیں کسی حدیث میں نہیں ملتا تو کیا یہ ایک خواہ مخواہ کی بدعت نہیں ہے؟"

۳۔ صفحہ ۸ پر یہ عبارت ہے "چنانچہ راقم الحروف نے کم از کم اپنی ذات کی حد تک تو بعض فیصلے کر لیے ہیں جن پر بہ توفیق ایزدی تا زندگی قائم رہنے کا عزم مصمم ہے۔ الا اینکہ ان میں سے کسی کا غلط ہونا کوئی صاحب از راہ کرم دلائل سے ثابت کر دیں" (آگے صفحہ ۸ پر وہ فیصلے درج کیے ہیں)

الف:۔ کسی بارات میں شریک نہیں ہوں گا (ب) نکاح کے موقع پر کسی دعوتِ طعام میں شامل نہیں ہوں گا۔ (ج) کسی ایسی تقریبِ نکاح میں شرکت نہیں کروں گا جو مسجد میں منعقد نہ ہو۔

آنجناب از روئے شرع شریف روشنی ڈالیں کہ مذکورہ بالا عبارات میں کوئی سقم تو نہیں۔ اگر ہے تو وضاحت فرمائیں تاکہ مصنف صاحب کو آگاہ کیا جائے اور وہ اپنی تصنیف میں اصلاح فرما لیں۔ ان کا اصل پمفلٹ بھی ساتھ ہی پیش خدمت ہے تاکہ آنجناب اصل رسالہ کی طرف مراجعت فرما کر صحت و سقم کا فیصلہ فرما سکیں

## الجواب

مضمون "ایک اصلاحی تحریک کا آغاز" میں نے غور سے پڑھا۔ تحریک کے آغاز میں بہت سنبھل سنبھل کر لکھا جایا کرتا ہے ایسے ہی یہاں بھی ہوا کام ظاہر بہت اچھا ہے کہ مسلمانوں کو ان ہندوانی رسموں نے تباہ کر کے رکھ دیا ہے مگر اب تک لوگ ان کے پرستار بن رہے ہیں نہ معلوم انجام کہاں تک پہنچا کر چھوڑے گا واقعی تمام رسموں کو مٹانے اور سنتِ رسول پر لانے کی ضرورت ہے۔ مگر نہ اس طرح کہ بجائے ایمان کی قوت کے خود ایمان میں ہی رخنہ ڈال لیا جائے۔ بات تہذیب سے اور ایمانی قوت کی حفاظت کے ساتھ ہی ہو سکتی ہے، زبان و قلم

[illegible] کا ہو سکتی ہے اگر واقعی اصلاح مقصود ہے
تو تعلیم کی اصلاح [illegible] کا ہونا ضروری ہے جو اقتباسات آپ نے
نقل کئے ہیں ان کو اصل مقالہ میں دیکھ لیا ہے۔
۲- نکاح کا خطبہ [illegible]
[illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا
لفظ لفظ ہیں "گفتہ او گفتۂ اللہ بود - گرچہ از حلقوم عبداللہ بود"
الہامی اور سینہ انتخاب کتنوں والے ہیں؟ ورنہ انہیں آیات قرآنی ہیں
حیرت ہوگی کہ دینی اصلاح کے شائقین صاحب اس کو بطور
منتر قرار دیتے ہیں۔ کیا اسلامی غیرت نے اس کو گوارا کر لیا؟
تقریر کا شوق جس تحریک کے آغاز کی عام گرویدہ کرنے والی
[illegible] سراپا برکت مع آیات کو بالائے
طاق رکھ کر اپنی چھوٹی سی تقریر کو اس کا بدل قرار دینا سنت
کو معدوم کرنا اور عوام اہل اسلام کو اس تلاوت و سنت
کی برکت سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دینا بلکہ مع آیات سب
کو منتر قرار دے کے خدا تعالیٰ اور حضور کی شان میں
بیہودہ گوئی کا دینا کیسی اصلاح ہے عقل اس سے قاصر ہے
سب غور کر لیں کہ ان آیات و احادیث پڑھنے کو بطور
منتر پڑھنا کہنا توہین ہے یا نہیں۔
۳- یہ رسم اور اس کو ضروری قرار دینے پر حرف گیری
تو ٹھیک تھی۔ لیکن اس کو بدعت کہنا دین سے ناواقفی
کی دلیل ہے بدعت وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا ہے "جو ہمارے اس کام (دین) میں
کوئی ایسی نئی چیز پیدا کرے گا جو اس میں سے ماخوذ
نہیں وہ مردود ہے" یعنی غیر دین کو دین بنا دے یا
غیر فرض و واجب کو فرض یا واجب بنا دے وہ مردود
ہے اس دعوت کرنے کو نہ کوئی دین یا کار ثواب و استحقاق
جنت قرار دیتا ہے یا واجب، پھر بدعت کیا معنی۔ گو
لغت میں تو ہر نئی چیز بدعت ہے اگر چیز دین اور
فرض یا واجب نہ بنائی جائے تو شرعی بدعت نہیں پھر
اس کی تین قسمیں ہیں مفید دین ثواب سفر گناہ نہ مفید نہ مضر
مباح و جائز ہے ورنہ اگر ہر نئی چیز بدعت ہو تو کیا
ہم سب خود بدعت لباس مکانات پختہ مسجدیں اور
اور طرح طرح کے استعمالی کپڑے برتن و آلات و
اسلحہ کیا سب بدعت اور ایسی بدعت ہیں جن کو حضور فرماتے

ہیں پھر بدعت گمراہی [illegible]
بات یہ ہے کہ حضور نے اس سے منع بھی نہیں کیا تو جب
تک منع ثابت نہ ہو اور [illegible] یا واجب [illegible] قرار دیں ہم جائز
فعل [illegible] بدعت بھی نہیں
کہا جا سکتا۔

تیسری بات یہ کہ حضرت فاطمہؓ کا حضرت علی سے جب
نکاح ہوا تو خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وفد کو
بھیجا کہ ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ اور انصارؓ کی
ایک جماعت کو بلا لاؤ اور حضور نے خود طباق میں کھجوریں
سب کو کھانے کو دیں — تو یہ کیا ہوا معلوم ہوتا ہے یہ
کوئی ہندوانہ رواج ہے کہ لڑکی کے یہاں کا کھانا ناپسند
ہوتا ہے ورنہ حضور خود صاحبزادی کے یہاں تشریف لے
جایا کرتے تھے تناول فرماتے تھے۔ آخر لڑکی والوں
کے عزیز دوست ملنے والے بھی ہیں وہ اس خوشی میں
آئیں تو ان کو کھانا نہ دینا کیا کوئی اچھی بات ہو سکتی
ہے۔ ہاں اس کو ضروری بنا لینا حیثیت سے بڑھ کر کام
کرنا کہ مقروض ہو جاتا وغیرہ یہ سادگی نہیں ہے دینی
کام نہیں ہے دنیوی رسم ہے قابل ترک ہے اسکی اصلاح
بہتر ہے مگر معمولی کو مذموم کہنا سمجھ میں نہیں آیا۔
۳- (۱) ٹھیک ہے آج کل بارات ایک ضروری
چیز اور رسم بنالی گئی ہے ابتدا تو شاید اس بنا پر ہوئی
ہوگی کہ دور دراز تک جانا ہوتا تھا راہ میں قزاق ڈاکو
بجور حملہ کرتے تھے شادی میں جہیز زیور پر خطرہ تھا تو
ایک گروہ اعانت کے لئے ساتھ ہونا قرین مصلحت
تھا جب کہ امن امان میسر ہے سفر میں حفاظتی سامان
میسر ہیں اب انبوہ کا انبوہ جمع کرنا فضول خرچی
ہے جانے والوں کا حرج کرنا ہے جو محض ناگواری اور
شکایت و رنجش کے طور پر وقت نکالتے ہیں اب
یہ چیز کسی فائدہ کے لئے نہیں ایک نقصان کے لئے ہو
گئی ہے پھر اس میں طرح طرح کی چپقلش نزاعات شکوہ
شکایات ہوتی ہیں ایک عجیب مخمصہ بن کر رہ گئی اور
اخراجات بھی بہت زیادہ ہو گئے ہیں۔ صرف ضرورت
کے لئے حسب ضرورت آدمی لے جانا تو سبب راحت ہے
مگر جو دستور ہو رہا ہے وہ سبب زحمت ہے۔ قابل